حق کا داعی اور مسلک سلف کا ترجمان
مجلّہ
نومبر - دسمبر ۲۰۲۵ء

الجماعۃ

خصوصی شمارہ

بموقع

علمی وتربیتی اجتماع برائے ائمہ ودعاۃ ومدرسین

اور

تعلیمی انعامی مقابلہ برائے طلبہ جامعات ومدارس

منعقدہ

بتاریخ: ۱۵-۱۶/نومبر ۲۰۲۵ء مطابق ۲۳-۲۴/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۷ھ بروز سنیچر واتوار
بمقام: جامع مسجد اہل حدیث کاپڑیا نگر، کرلا (ویسٹ) ممبئی۔ ۴۰۰۰۷۰

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ید اللہ علی الجماعۃ

حق کا داعی اور مسلک سلف کا ترجمان

مجلّہ

الجماعۃ

خصوصی شمارہ

جمادی الاولیٰ-جمادی الاخری ۱۴۴۷ھ ● نومبر-دسمبر ۲۰۲۵ء

پتہ

دفتر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی ۱۴-۱۵، چونا والا کمپاؤنڈ، مقابل بیسٹ بس ڈپو-ایل.بی.ایس مارگ، کرلا ویسٹ ممبئی-۷۰

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI

14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 400 070

9892255244 9892555244 ahlehadeesmumbai@gmail.com @JamiatSubai

subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai

www.ahlehadeesmumbai.com majallahaljamaah@gmail.com

نگارشات

حلقۂ قرآن

آدابِ تلاوت

● شیخ رفیع اللہ سلفی (داعی صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ٱلَّذِينَ ءَاتَيۡنَٰهُمُ ٱلۡكِتَٰبَ يَتۡلُونَهُۥ حَقَّ تِلَاوَتِهِۦٓ أُوْلَٰٓئِكَ يُؤۡمِنُونَ بِهِۦۗ وَمَن يَكۡفُرۡ بِهِۦ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡخَٰسِرُونَ﴾ [البقرۃ:۱۲۱]

ترجمہ: ''جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسے پڑھنے کے حق کے ساتھ پڑھتے ہیں اور وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کرے وہ نقصان والا ہے''۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آداب تلاوت کا خیال کر کے پڑھنا مؤمنین کی نشانی ہے۔

*** قرآن پڑھنے سے پہلے طہارت حاصل کریں:**

باوضو ہو کر پڑھنا مستحب ہے۔

عن عبداللہ بن أبی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم: أن في الكتاب الذي كتبه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم لعمرو بن حزم: أَنْ لَا يَمَسَّ الْقُرْآنَ إِلَّا طَاهِرٌ''. [رواہ مالک فی الموطا: کتاب القرآن، باب الأمر بالوضوء لمن مس القرآن برقم:۱، والدارقطنی فی سننہ کتاب الطہارۃ، باب فی نہی المحدث مس القرآن برقم:۴۳۱-۴۳۳، والحاکم:۱/۳۹۷، وصححہ الالبانی بشواہدہ، فی إرواء الغلیل:۱/۱۵۸]

''عبداللہ بن أبی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کتاب عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لئے لکھی تھی، اس میں (یہ بھی تحریر) تھا قرآن کو صرف طاہر ہی چھوئے''۔

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرۡ﴾ [المدثر:۴]

''اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھئے''۔

*** قرآن پڑھنے سے پہلے تعوذ سے ابتداء:**

﴿فَإِذَا قَرَأۡتَ ٱلۡقُرۡءَانَ فَٱسۡتَعِذۡ بِٱللَّهِ مِنَ ٱلشَّيۡطَٰنِ ٱلرَّجِيمِ﴾ [النحل:۹۸] ''جب تم قرآن پڑھنے لگو تو شیطان مردود سے پناہ مانگ لیا کرو''۔

*** ٹھہر ٹھہر کر پڑھیں:**

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَرَتِّلِ ٱلۡقُرۡءَانَ تَرۡتِيلًا﴾

''اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو''۔ [المزمل:۴]

﴿وَقُرۡءَانٗا فَرَقۡنَٰهُ لِتَقۡرَأَهُۥ عَلَى ٱلنَّاسِ عَلَىٰ مُكۡثٖ وَنَزَّلۡنَٰهُ تَنزِيلٗا﴾ [بنی اسرائیل:۱۰۶] ''اور قرآن کو ہم نے صاف صاف واضح انداز میں ترتیل کے ساتھ اتارا ہے تاکہ آپ اسے لوگوں کے سامنے ترتیل کے ساتھ پڑھ کر سنائیں''۔

یہ آیات اس بات کی دلیل ہیں کہ قرآن مجید ٹھہر ٹھہر کر اور صاف واضح کر کے پڑھا جائے۔

*** جلدی جلدی قرآن مت پڑھیں:**

جلدی جلدی پڑھنا ممنوع ہے کیونکہ بعض اوقات جلدی پڑھنے سے حروف رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بھی تیز پڑھنے سے منع فرمایا تھا:

﴿لَا تُحَرِّكۡ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعۡجَلَ بِهِۦٓ﴾ [القیامۃ:۱۶]

''(اے محمد ﷺ) آپ قرآن پڑھنے کیلئے اپنی زبان کو جلدی جلدی حرکت نہ دیا کریں، (یعنی بہت زیادہ تیز نہ پڑھا کریں)''۔

* **قرآن کو اچھی آواز سے پڑھیں:**

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ".

[ابوداود، الوتر، باب کیف یستحب الترتیل فی القراءۃ: ۱۴۶۸]

''قرآن کو اچھی آواز کے ساتھ زینت دو''۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لَمْ يَأْذَنِ اللَّهُ لِشَيْءٍ، مَا أَذِنَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَغَنَّى بِالْقُرْآنِ". [صحیح البخاری: فضائل القرآن، باب من لم یتغن بالقرآن: ۵۰۲۳]

''اللہ نے کوئی چیز اتنی توجہ سے نہیں سنی جتنی توجہ سے اس نے نبی کریم ﷺ کا بہترین آواز کے ساتھ قرآن (پڑھنا) سنا ہے''۔

* **تلاوت کریں تو سمجھ کر غور وفکر کے ساتھ پڑھیں:**

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿كِتَٰبٌ أَنزَلۡنَٰهُ إِلَيۡكَ مُبَٰرَكٞ لِّيَدَّبَّرُوٓاْ ءَايَٰتِهِۦ﴾ [ص: ۲۹] ''یہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ پر اتارا بابرکت کتاب تاکہ لوگ اس کی آیات پر تدبر کریں''۔

﴿أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلۡقُرۡءَانَ أَمۡ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقۡفَالُهَآ﴾ [محمد: ۲۴]

''کیا یہ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ یا ان کے دلوں پر تالے لگ گئے ہیں''۔

* **قرآن پڑھا جا رہا ہو تو خاموشی سے سنا کریں:**

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا قُرِئَ ٱلۡقُرۡءَانُ فَٱسۡتَمِعُواْ لَهُۥ وَأَنصِتُواْ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُونَ﴾ [الاعراف: ۲۰۴]

''اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کی طرف کان لگا دیا کرو اور خاموش رہا کرو امید ہے کہ تم پر رحمت ہو''۔

* **قرآن کا مذاق نہ اڑایا جائے اور نہ مذاق اڑانے والوں کا ساتھ دیا جائے:**

اور اگر لوگ قرآن کو طنز وتشنیع کر رہے ہوں تو ان کے پاس نہ بیٹھا کرو ورنہ تم بھی ویسے ہی ہو جاؤ گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِذَا سَمِعۡتُمۡ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ يُكۡفَرُ بِهَا وَيُسۡتَهۡزَأُ بِهَا فَلَا تَقۡعُدُواْ مَعَهُمۡ حَتَّىٰ يَخُوضُواْ فِي حَدِيثٍ غَيۡرِهِۦٓ إِنَّكُمۡ إِذٗا مِّثۡلُهُمۡ﴾ [النساء: ۱۴۰]

''تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں (قرآن) کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو''۔

* **تین دن سے پہلے قرآن مکمل نہ کیا جائے:**

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ بیان کرتی ہیں رسول اللہ ﷺ نے تین دن سے پہلے کبھی قرآن مکمل نہیں کیا۔ [صحیح الجامع الصغیر للالبانی: ۴۷۴۲]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا: "لَا يَفْقَهُ مَنْ قَرأَ الْقُرآنَ فِيْ أَقَلَّ مِنْ ثَلَاثٍ".

''جس نے قرآن کریم تین دن سے کم میں پڑھا اس نے کچھ نہیں سمجھا''۔ [سنن دارمی من کتاب الصلاۃ حدیث: ۱۵۳۲]

بعض اہل ظاہر کے نزدیک تین دن سے کم میں قرآن پاک ختم کرنا حرام ہے۔

بخاری ومسلم کی روایت میں ہے کہ قرآن پاک ایک مہینہ میں پڑھو اور کچھ روایات میں سات دن کا بھی ذکر ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قرآن پاک ختم کرنے کی کوئی حد نہیں جب دل لگے اور طاقت ہو پڑھے اور بہتر یہ ہے کہ سات دن یا کم از کم تین دن سے کم میں ختم نہ کرے، اور معانی ومطالب پر غور وفکر کر کے قرآن پڑھے کیونکہ مطلب سمجھتے ہوئے قرآن پڑھنا باعث اجر وثواب اور مطلوب ومقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو قرآن کو سمجھنے کی توفیق دے۔

حلقۂ حدیث

امامت کا سب سے زیادہ حق دار کون؟

● شیخ عبدالجبار انعام اللہ سلفی (استاذ جامعہ رحمانیہ کاندیولی، ممبئی)

وَعَنْ أَبِي مَسْعُودٍ - رضي الله عنه - قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ - ﷺ: "يَؤُمُّ الْقَوْمَ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللَّهِ، فَإِنْ كَانُوا فِي الْقِرَاءَةِ سَوَاءً فَأَعْلَمُهُمْ بِالسُّنَّةِ، فَإِنْ كَانُوا فِي السُّنَّةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ هِجْرَةً، فَإِنْ كَانُوا فِي الْهِجْرَةِ سَوَاءً فَأَقْدَمُهُمْ سِلْمًا - وَفِي رِوَايَةٍ: سِنًّا - وَلَا يَؤُمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِي سُلْطَانِهِ، وَلَا يَقْعُدْ فِي بَيْتِهِ عَلَى تَكْرِمَتِهِ إِلَّا بِإِذْنِهِ".[رَوَاهُ مُسْلِمٌ]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لوگوں کا امام ایسا آدمی ہو جو قرآن حمید زیادہ پڑھنے والا یعنی حافظ ہو۔ اگر اس وصف میں لوگ مساوی ہوں تو پھر وہ امام بنے جسے سنت نبوی کا علم زیادہ ہو۔ اور اگر سنت کے علم میں بھی لوگ مساوی ہوں تو پھر وہ امام بنے جس نے ہجرت پہلے کی ہو۔ اگر اس وصف میں سب برابر ہوں تو پھر وہ امام بنے جس نے پہلے اسلام قبول کیا ہو۔ اور ایک روایت میں سِلْماً (اسلام) کی بجائے سِنًّا (عمر) کا لفظ بھی ہے (یعنی اگر مذکورہ بالا اوصاف میں سبھی برابر ہوں تو پھر ان میں جس کی عمر زیادہ ہو اسے امام بنایا جائے۔) اور کوئی آدمی کسی آدمی کے دائرۂ اقتدار میں امامت نہ کرائے اور نہ گھر میں اس کی مخصوص نشست پر اس کی اجازت کے بغیر بیٹھے۔'' (اسے مسلم نے روایت کیا ہے)۔

[تخریج حدیث: صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب من أحق بالامامۃ، حدیث:673، سنن أبی داود، کتاب الصلاۃ، باب من احق بالامامۃ، حدیث: 582، سنن الترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ما جاء فی من احق بالامامۃ، حدیث:235، سنن نسائی، کتاب الامامۃ، من احق بالامامۃ، حدیث:780، سنن ابن ماجہ، کتاب إقامۃ الصلاۃ، باب من احق بالامامۃ حدیث:980، مسند أحمد:118/4، حدیث:17063]

فوائد و مسائل:

1۔ تکرمۃ: کسی کا وہ بستر یا تکیہ یا بیٹھنے کی جگہ مراد ہے جو اس کیلئے خاص ہو اور اس کے علاوہ کیلئے بلا اجازت بیٹھنا درست نہ ہو۔

2۔ حدیث میں لفظ ''اقرأهم'' کا معنیٰ ہے جس کو قرآن زیادہ یاد ہو، اس معنیٰ کی تائید حضرتِ عمرو بن سلمہ کی حدیث سے ہوتی ہے جس کے اندر ''وليؤمكم اكثركم قرآنا'' کے الفاظ ہیں۔ بعض لوگوں نے ''اقرأ'' سے مراد ''احسن قراءة'' لیا ہے یعنی اچھی قرأت کرنے والا ہو۔ لیکن پہلا معنیٰ راجح ہے۔

3۔ نماز کی امامت ایک اہم دینی ذمہ داری ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انجام دیا اور پھر خلفائے راشدین نے بھی اس بار امامت کو اٹھایا، اور خوش اسلوبی سے نبھایا، امامت کی فضیلت میں بہت سی احادیث وارد ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: روز قیامت

تین قسم کے آدمی کستوری کے ٹیلوں پر ہوں گے ان میں سے ایک وہ شخص ہوگا جس نے قوم کی امامت کی اور وہ اس امام سے خوش تھے۔(سنن ترمذی،حدیث:1986،علامہ البانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف قرار دیا ہے(ضعیف الجامع الصغیر حدیث:2579)اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس کے حسن ہونے کی جانب اشارہ کیا ہے (الجامع الصغیر 3498) جیسے امام ترمذی نے حسن کہا ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے''امام کو اس قدر اجر ملے گا جس قدر اس کے پیچھے نماز ادا کرنے والوں کو ملے گا''۔(سنن نسائی حدیث: 647،مسند احمد:284/4)بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ سے درخواست کیا کرتے تھے کہ مجھے میری قوم کا امام بنادیجیے۔

لیکن جس طرح امامت کی فضیلت بیان ہوئی ہے اسی طرح اس کی ذمہ داریاں بھی بہت اہم ہیں جنہیں نبھانا بڑا مشکل ہوتا ہے،اسی لیے شریعت نے امامت کے مراتب بیان کردیئے ہیں کہ امامت کون کرائے گا امامت کا حقدار کون ہے؟،اس حدیث میں بالترتیب امامت کے مستحق افراد کا ذکر ہے۔

4-یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ امامت کا سب سے زیادہ حقدار وہ شخص ہے جس کو قرآن زیادہ یاد ہو۔ بشرطیکہ وہ نماز کے احکام سے واقف ہو جاہل نہ ہو،کیونکہ احکام نماز سے غافل شخص لوگوں کی امامت نہیں کرواسکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ولا يخفى أن محل تقديم الأقرأ إنما هو حيث يكون عارفاً بما يتعين معرفته من أحوال الصلاة، فأما إذا كان جاهلاً بذلك فلا يقدم اتفاقاً، والسبب فيه أن أهل ذلك العصر كانوا يعرفون معاني القرآن،لكونهم أهل اللسان، فالأقرأ منهم بل القارئ كان أفقه في الدين من كثير من الفقهاءالذين جاؤوا بعدهم". [فتح الباری 171/2]

5-اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر سب قرأت میں برابر ہوں تو امامت کا حقدار وہ شخص ہوگا جو سنت سے زیادہ باخبر ہو،اگر اس میں بھی برابر ہوں تو جو شخص ہجرت میں مقدم ہو وہ امام ہوگا،اور جب ہجرت میں برابر ہوں تو قبول اسلام میں جو اولیت رکھتا ہو وہ حقدار ہوگا،یا پھر عمر رسیدہ ہو کیونکہ زیادہ امید ہے کہ جس کی عمر دراز ہوگی اس کے اعمال حسنہ بھی زیادہ ہوں گے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:''رسول اللہ ﷺ نے کتاب وسنت کا علم رکھنے والے کو سب پر فضیلت دی ہے اگر علم میں برابر ہوں تو عمل صالح میں جو سب سے بڑھ کر ہے وہ مقدم ہوگا اور اپنے اختیار کے ساتھ عمل صالح میں آگے بڑھنے والا''مہاجر'' ہے جسے عمر رسیدہ پر ترجیح دی جائے گی''۔[مجموع الفتاوی:386/23]

6-یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کسی کے گھر میں اس کی مخصوص جگہ پر بیٹھنا یا کسی کے دائرۂ اقتدار میں امامت کرانا اجازت کے ساتھ مشروط ہے یعنی اگر وہ اجازت دے تو دونوں کام جائز ہیں ورنہ نہیں۔

7-یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ جب مسجد کے لئے امام متعین ہو تو وہ امامت کا زیادہ حق رکھتا ہے اگرچہ اس سے افضل شخص ہی کیوں نہ آجائے۔

اداریہ

تعلیمی مسابقات: علم وتربیت کا مؤثر ذریعہ

مدیر

دنیا میں قوموں کی ترقی کا دارومدار علم اور تربیت پر ہے، اور علم کی ترویج کے لیے مختلف ذرائع میں سے ایک مؤثر ذریعہ تعلیمی مسابقات اور علمی مقابلے ہیں۔ یہ محض انعام جیتنے کی سرگرمی نہیں، بلکہ ذہنوں کو جلا دینے، صلاحیتوں کو بیدار کرنے، اور کردار کو نکھارنے کا ایک مؤثر ذریعہ ہیں۔

اسلامی تہذیب میں علم محض حفظ وتحصیل تک محدود نہیں رہا، بلکہ تفکر، تدبر، تحقیق اور ایصالِ علم کو اس کا جوہر سمجھا گیا۔ یہی روح مسابقات کے ذریعے دوبارہ زندہ کی جاسکتی ہے۔

تعلیم جب جذبۂ مسابقت کے ساتھ جڑی ہو تو ذہنوں میں توانائی، قلوب میں حرارت اور عمل میں جدت پیدا ہوتی ہے۔

اسلامی تعلیم وتربیت میں تعلیمی مسابقات اور علمی مقابلے محض کھیل یا نمائش نہیں بلکہ فکر وشعور کے ارتقاء اور تربیتِ کردار کا ایک مؤثر ذریعہ ہیں۔

اسلام نے انسان کے اندر فطری جذبۂ سبقت کو مثبت رخ دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ ”نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت کرو“۔ [البقرۃ:۱۴۸]

یہ آیت محض اخلاقی نصیحت نہیں بلکہ ایک تعلیمی فلسفہ ہے جو انسان کو جمود سے نکال کر تدبر، تحقیق اور عملِ صالح میں مسابقت کی دعوت دیتا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہمیشہ نیکی اور علم میں آگے بڑھنے کی ترغیب دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا واقعہ معروف ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”آج میں ابوبکر سے سبقت لے جاؤں گا“۔ مگر جب انہوں نے اپنا آدھا مال دیا اور دیکھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پورا دے دیا۔ تو فرمایا: ”ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کوئی سبقت نہیں کرسکتا!“۔ (بخاری، کتاب الزکاۃ)

یہی روحِ سبقت علمی میدان میں بھی مطلوب ہے۔ تاکہ طالب علم خیر، تحقیق، اور خدمتِ علم میں ایک دوسرے سے آگے بڑھیں۔

اسلام میں علم کا حصول محض معلومات جمع کرنا نہیں بلکہ فکر کی آبیاری اور شخصیت کی تعمیر ہے۔ تعلیمی مسابقات طلبہ کے ذہنوں میں جستجو، مطالعہ، تحقیق اور اظہار کی قوت پیدا کرتے ہیں۔ یہ ان میں علمی غیرت اور فکری خود اعتمادی پیدا کرتے ہیں۔

علمی مقابلہ دراصل ”خیر میں سبقت“ کی عملی صورت ہے تعلیم جب جذبۂ مسابقت کے ساتھ جڑی ہو تو ذہنوں میں توانائی، قلوب میں حرارت اور عمل میں جدت پیدا ہوتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اسی جذبے کو ابھارا، چنانچہ قرآن کی

تعلیم وحفظ، تیراندازی، گھڑسواری، اور حتیٰ کہ اذان دینے میں بھی صحابہ کے درمیان مسابقت پیدا کی۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

دل میں شوق کی آگ علم کی زندگی ہے، اور مسابقت اس آگ کا ایندھن ہے۔[مفتاح دار السعادۃ:1/48]

علامہ ابن خلدون رحمہ اللہ ''المقدمۃ'' میں لکھتے ہیں:

''تعلیم اگر مشق اور مقابلے سے نہ گزرے تو ذہن جمود کا شکار ہو جاتا ہے''۔[المقدمۃ،ص:373]

اسی لیے اسلامی تعلیم میں مسابقہ محض کھیل نہیں بلکہ تربیت کا ایک فطری طریقہ ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کی تعلیم میں سبقت پر ترغیب دی ''تم میں بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے''۔[بخاری:5027]

یہ اعلان دراصل علمی برتری کے مقابلے کی روح کو ظاہر کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ علمی مسابقات میں شریک ہوتے، علم وفہم میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''صحابہ رضی اللہ عنہم علم میں ایسے مقابلہ کرتے جیسے تیرانداز نشانے میں کرتے ہیں''۔[الأم:7/302]

اسی لیے اسلامی نظامِ تعلیم میں مباحثہ، سوال وجواب، اور علمی امتحان کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے۔

سلفِ صالحین کی زندگی خود مسابقاتِ علمیہ کا آئینہ تھی۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:''میں ہر آیت کے معنی معلوم کرنے کے لیے دروازے پر انتظار کرتا، جب تک کہ صاحبِ علم نہ نکلیں''۔

یہ علمی مسابقت ہی تھی جس نے انہیں ''ترجمان القرآن'' بنایا۔

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا:''میں علم کے لیے ایسا حریص تھا جیسے بچہ ماں کے دودھ کے لیے''۔[سیر أعلام النبلاء:10/14]

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا:''میں نے بغداد میں احمد جیسا علم وعمل میں مسابقت کرنے والا شخص نہیں دیکھا''۔[طبقات الحنابلہ:1/216]

یہ واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ علمی برتری اور نیکی میں سبقت امت کی علمی روح کا حصہ رہی ہے۔

اسلامی تاریخ کے روشن ابواب میں ''عباسی'' اور ''اندلسی'' دور نمایاں ہیں۔بغداد، قرطبہ، اور غرناطہ میں علمی مسابقات بادشاہوں کی سرپرستی میں ہوتے۔علماء ایک دوسرے سے تحقیق، تصنیف اور مناظرہ میں سبقت حاصل کرتے۔دار الحکمہ اور بیت الحکمہ جیسے ادارے محض کتب خانے نہیں بلکہ علمی مناظروں اور فکری مباحثوں کے مراکز تھے۔ابن رشد، ابن حزم، جیسے مفکرین اور بلند پایہ فقہاء وادباء پیدا ہوئے جو انہی علمی ماحول کے ثمرات ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''نیکی میں سبقت اور علم میں برتری انسان کی فطری شوق کو بیدار رکھتی ہے، اور یہی شوق طلبِ علم کا سب سے قوی محرک ہے''۔[مجموع الفتاویٰ:10/95]

امام غزالی رحمہ اللہ نے ''احیاء علوم الدین'' میں لکھا:

''علمی مذاکرت اور مسابقات، علم کے احیاء کا سب سے عمدہ طریقہ ہیں، کیونکہ سوال و جواب سے ذہن کھلتا ہے''۔[احیاء علوم الدین، ج1]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''اگر علمی مسابقات کا مقصد علم، قرآن اور سنت کی ترویج ہو تو یہ عبادت کے قریب تر ہیں، کیونکہ یہ تعلیم کے ساتھ دعوت کو جوڑتی ہیں''۔[مجموع فتاویٰ ابن باز:8/412]

شیخ محمد صالح العثیمین رحمہ اللہ قمطراز ہیں:

''اگر مسابقات کا مقصد علم اور خیر میں سبقت ہو، تو یہ عبادت کے زمرے میں آتی ہیں''۔[شرح ریاض الصالحین:2/223]

آج کے تعلیمی اداروں میں علمی مسابقات طلبہ میں وہی جذبہ زندہ کرتے ہیں جو ماضی کے مدارس میں مباحثہ، مناظرہ اور مکاتبت کی صورت میں موجود تھا۔خلاصہ کلام یہ کہ یہ مسابقاتی سرگرمیاں طلبہ کو درج ذیل جہات سے سنوارتے ہیں:

1۔تحقیقی ذوق کی تربیت:

مسابقات طلبہ میں مطالعہ، حوالہ تلاشی، اور منطقی دلائل کے استعمال کی عادت پیدا کرتے ہیں۔

2۔اظہار وابلاغ کی مہارت:

تقریری وتحریری مسابقے طلبہ کو مؤثر گفتگو اور ادبی تحریر کا فن سکھاتے ہیں۔

3۔تعاون واجتماعی ذوق:

گروہی مسابقات باہمی مشاورت اور ٹیم ورک کے آداب سکھاتے ہیں جو دعوت وقیادت کے لیے بنیاد ہیں۔

4۔دینی شناخت اور فکری پختگی:

دینی اداروں میں ہونے والے مسابقات نوجوانوں کو اپنے دین، سیرتِ نبوی، اور فقہی علوم سے عملی وابستگی عطا کرتے ہیں۔

اس لئے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ تعلیمی مسابقات محض انعامی دوڑ نہیں بلکہ امت کے فکری احیاء کا ایک ذریعہ ہیں۔ یہ نسلِ نو کے دلوں میں علم وتحقیق کی محبت جگاتے ہیں، انہیں مطالعہ، فکر، استدلال اور اظہار کی قوت عطا کرتے ہیں۔آج جب تعلیم روایتی صورت میں اکثر حفظ ونقل تک محدود ہو چکی ہے، تو علمی مسابقات وہ تازہ ہوا ہیں جو ذہنوں میں تخلیق، جستجو اور بصیرت کی شمع روشن کرتی ہیں، امت کو ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو علم میں گہرے، کردار میں مضبوط، اور عمل میں مخلص ہوں اور یہ ممکن ہے جب علمی ادارے مسابقات اور تعلیمی مقابلوں کے ذریعہ نسل نو کو صحیح عقیدہ وایمان اور پاکیزہ علم اور صالح عمل سے جوڑ دیں۔صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی طرف سے منعقد ہونے والے مسابقات اسی سنہری سلسلہ کی کڑی ہیں جو انتہائی با مقصد اور یکساں طور پر سب کے لئے مفید ہیں۔

آج ضرورت ہے کہ مدارس، جامعات، اور دعوتی ادارے علمی مسابقات کو منظم اور مستقل تربیتی پروگرام کے طور پر اختیار کریں تاکہ علم وعمل، تحقیق وتخلیق، اور کردار وقیادت کی وہ نئی نسل پیدا ہو جو امت کے لیے روشنی کا مینار بن سکے۔ وما توفیقی إلا باللہ

عقیدہ و منہج

منہج اہل حدیث: تعارف، تجزیہ اور اشکالات کا علمی جائزہ

● دکتور اجمل منظور مدنی (وکیل جامعۃ التوحید بھیونڈی ممبئی)

اہل حدیث کون ہیں؟

دنیا میں مذہب اسلام کے نام سے بے شمار جماعتیں ہیں اور ہر ایک کا اپنا ایک امام، پیر، مرشد اور بابا ہے اور ہر ایک کا منہج ودعوت کا طریقہ الگ اور جداگانہ ہے، اور سب اپنے آپ کو حق پر سمجھتے ہیں مگر ببانگ دہل علی وجہ البصیرہ ہم جماعت اہلحدیث یہ دعوی کر سکتے ہیں کہ اگر کائنات میں کوئی کتاب وسنت کا حقیقی محافظ ہے تو وہ صرف جماعت اہلحدیث ہے؛ کیونکہ جماعت اہلحدیث جہاں اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی عظمت کے قائل ہے وہیں اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے فرامین کی بھی بلا چوں چراں قائل وعامل ہے۔

اہل حدیث یہ دولفظوں پر مشتمل ایک کلمہ ہے، پہلا لفظ ہے ''اہل'' جسکے معنی والے دوسرا لفظ حدیث، اور لفظ حدیث اللہ تعالی کے پاک کلام قرآن مجید فرقان حمید اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کا نام ہے، قرآن کریم کو بھی حدیث کہا گیا ہے، قرآن مجید میں چودہ آیات ایسی ہیں جن میں اللہ تعالی نے اپنے کلام قرآن مجید کو حدیث کہا ہے، جیسے کہ ایک جگہ فرمایا: ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ ٱللَّهِ حَدِيثًا﴾ [النساء:۸۷]؛ یعنی اللہ تعالی کی بات سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے۔

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿ٱللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ ٱلْحَدِيثِ﴾ [الزمر:۲۳]

یعنی اللہ تعالی نے بہترین حدیث نازل فرمائی ہے۔

اور ایک جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍۭ بَعْدَ ٱللَّهِ وَءَايَٰتِهِۦ يُؤْمِنُونَ﴾ [الجاثیۃ:٦]

ترجمہ: پس اللہ اور اسکی آیتوں کے بعد یہ کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔

ان مذکورہ آیات میں اللہ تعالی نے قرآن پاک کو حدیث قرار دیا ہے، اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان مبارک سے بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے بھی کلام اللہ کو حدیث کہا ہے، جیسا کہ صحیح مسلم کی مشہور روایت ہے، نبی کریم ﷺ اپنے ہر خطبہ حاجہ میں فرمایا کرتے تھے:

''فإن خير الحديث كتاب ألله وخير الهدى هدى محمد ﷺ''. یقیناً بہترین حدیث اللہ کی کتاب (قرآن مجید) ہے اور بہترین طریقہ محمد ﷺ کا طریقہ ہے۔ [صحیح مسلم: کتاب الجمعہ حدیث 867]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کے اقوال، اعمال، اور انداز زیست کو بھی حدیث کہا جاتا ہے جیسا کہ سنن اربعہ کی روایت ہے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **''نضر الله امرأ سمع منا حديثا فحفظه حتى يبلغه''.**

یعنی اللہ تعالی اس شخص کو (ہمیشہ) تروتازہ رکھے جس نے

میری حدیث کوسنکر یاد رکھا یہاں تک کہ اسے آگے دوسروں تک پہنچایا۔[سنن ابن ماجہ: کتاب السنہ، حدیث 232]

مذکورہ دلائل سے یہ بات واضح اور آشکارا ہوگئی کہ آپ ﷺ کے اقوال وافعال کوحدیث مصطفیٰ اور کلام مجید کوحدیث باری کہتے ہیں اور ان دونوں کے ماننے والوں کو اہلحدیث یا اصحاب الحدیث کہتے ہیں۔

اوراہل حدیثوں کی یہی پہچان ہے کہ یہ نہ تو کتاب وسنت کی تعلیمات میں کوئی آمیزش وملاوٹ کرتے ہیں اور نہ ہی کسی کی آمیزش کو پسند و برداشت کرتے ہیں۔

اہل حدیث وہ مکتب فکر ہے جو ہر مسئلہ میں قرآن وحدیث کو ہی اپنی دلیل اور حجت سمجھتے ہیں، ان کے کسی معین اشخاص کی چاہے وہ کتنا ہی چوٹی کا عالم ہو یا کتنے بڑے علامہ ہی کیوں نہ ہوں ان کی تقلید نہیں ہوتی، ہاں ان کی توقیر وتعظیم کرتے ہیں لیکن ان کی تقلید نہیں کرتے، البتہ اگر کوئی بڑے سے بڑا عالم یا پھر چھوٹے سے چھوٹا طالب علم ہی کیوں نہ ہوقرآن وحدیث سے اپنے دلائل پیش کرتے ہیں جو اسلاف امت کے طریق پر اور سلف صالحین کے منہج پر ہوتو اہلحدیث اسے قبول کرنے میں کسی طرح کا کوئی تامل نہیں کرتے بلکہ قرآن وحدیث کے سامنے بالکل اسی طرح سرتسلیم خم کر دیتے ہیں جس طرح صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ کرام سرتسلیم خم کرتے تھے۔

منہج اہل حدیث تعارف:

منہج کامفہوم:

منہج عربی زبان میں ایسے راستے کے لئے بولا جاتا ہے جس کے اندر تین خصوصیات پائی جائیں۔

(۱)وضاحت

(۲)ظہور

(۳)سیدھا ہونا۔

اسی سے ایک دوسرا لفظ ''منہاج'' اسی معنی کے لئے آتا ہے جس کوقرآن نے بھی استعمال کیا ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾[المائدۃ: ۴۸]

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت میں منہاج کی تفسیر ''سبیل اور سنۃ'' سے کی ہے۔اورسبیل وسنۃ دونوں کا معنی راستہ ہوتا ہے۔

منہج اہل حدیث سے مراد نبی اکرم ﷺ کا بتایا ہوا وہ راستہ ہے جس پر چل کر صحابہ، تابعین، تبع تابعین اوران کے بعد کے ائمہ سلف تمام باطل فرقوں سے الگ اور ممتاز رہے۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ۚ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾[الانعام: ۱۵۳]

اسی طرح سے اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

''تركتكم على البيضاء ليلها كنهارها لا يزيغ عنها بعدي الا هالك''.

کہ میں نے تم کو روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے جس کا دن بھی رات کی طرح ہے جس سے صرف ہلاک ہونے والا ہی اعراض کرسکتا ہے۔[مسند أحمد بن حنبل: ۱۲۶/۴]

سیدنا عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں:

خط لنا رسول الله صلى الله عليه و سلم خطا ثم قال هذا سبيل الله ثم خط خطوطا عن يمينه وعن شماله ثم قال هذه سبل قال

يزيد متفرقة على كل سبيل منها شيطان يدعو إليه ثم قرأ ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ﴾۔

گویا یہ وہ منہج ہے جس پر اللہ کے رسول ﷺ اور قرون مفضلہ کے لوگ قائم رہے اور جس کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

افترقتِ اليهودُ على إحدَى وسبعينَ فرقةً، وافترقتِ النصارَى على اثنتَينِ وسبعينَ فرقةً، وستفترقُ هذه الأمةُ على ثلاثٍ وسبعينَ فرقةً كلُّها في النارِ إلا واحدةً، قيل: من هي يا رسولَ اللهِ؟ فقال صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ: مَن كان على مِثلِ ما أنا عليه وأصحابِي.

یہی وہ منہج حق اور جادہ برحق ہے جسکے بارے میں ایک دوسری جگہ فرمایا:

”لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِی قَائِمَةً بِأَمْرِ اللّٰهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ حَتّٰی يَأْتِیَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ عَلَى النَّاسِ“.

”میری امت میں ہمیشہ ایک گروہ حق پر قائم رہے گا جو کوئی انہیں نقصان پہنچانا چاہے گا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا اور وہ اسی طرح قائم رہے گا“۔

منہج اہل حدیث کا تجزیہ:

اگر منہج اہل حدیث کا تجزیہ کرنا ہو اور اس کی تاریخ دیکھنا ہو اور یہ معلوم کرنا ہو کہ یہ مسلک اور منہج کب سے ہے تو ان کے عقائد واصول کو دیکھیں، ان کا منہج وطرز استدلال دیکھیں، ان کے دینی اعمال کی کیفیت دیکھیں، ان کی نماز دیکھیں، ان کا روزہ وحج دیکھیں بلکہ ان کا ہر دینی عمل دیکھیں۔

اس کے بعد پھر پتہ لگائیں کہ عہد نبوت میں ان کے عقائد واصول کا وجود تھا یا نہیں؟ عہد نبوت میں ان کے منہج وطرز استدلال کا وجود تھا یا نہیں، ان کے دینی اعمال عہد نبوی کے اعمال سے موافقت رکھتے ہیں یا نہیں، اگر ہاں اور بے شک ہاں تو یہ جان لیں کہ انہی کا منہج قدیم ہے، یعنی اس کا وجود عہد نبوی ہی سے ہے، وللہ الحمد۔

اسی کسوٹی پر ہر مسلک اور منہج کی تاریخ معلوم کی جانی چاہئے، دیگر جتنے بھی مسالک اور مناہج ہیں خواہ ان کے نام نئے ہوں یا پرانے، ان کے عقائد واصول اور مناہج دیکھیں گے تو عہد نبوی میں ان کا ثبوت قطعا نہیں ملے گا، بلکہ یہ خوبی صرف اور صرف منہج اہل حدیث کی ہے کہ اس کے ہر عقیدہ واصول کا ثبوت عہد نبوی میں واضح طور پر ملتا ہے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ شریعت پر چلنے اور دین پر عمل کرنے کا جو طریقہ اور منہج عہد نبوی میں تھا وہی طریقہ اور عمل نیز منہج ومسلک اہل حدیثوں کا بھی ہے، تو ساتھ ہی یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ آخر اسی منہج کی اتباع ضروری کیوں ہے؟!

پہلی چیز یہ کہ اس میں کسی کو اختیار نہیں ہے۔ یہ دراصل شریعت کے دوسرے واجبات ہی کی طرح ہے۔ اس راہ پر نہ چلنے والے کو اللہ تعالیٰ نے عذاب دوزخ کی دھمکی دی ہے، اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ [النساء:۱۱۵]

دوسرے یہ کہ امر واقعہ بھی یہی ہے کہ یہی صحابہ کا منہج ہے اور

یہی ہماری کامیابی کا ضامن ہے۔اللہ کا فرمان ہے:

﴿وَٱلسَّٰبِقُونَ ٱلۡأَوَّلُونَ مِنَ ٱلۡمُهَٰجِرِينَ وَٱلۡأَنصَارِ وَٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُم بِإِحۡسَٰنٖ رَّضِيَ ٱللَّهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُواْ عَنۡهُ وَأَعَدَّ لَهُمۡ جَنَّٰتٖ تَجۡرِي تَحۡتَهَا ٱلۡأَنۡهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدٗاۚ ذَٰلِكَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ﴾[التوبۃ:۱۰۰]

اس آیت میں اللہ نے صحابہ کرام کے راستے اور منہج کی تعریف کی ہے اور ان کے لئے بہترین بدلہ کا ذکر کیا ہے۔اس میں دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے تو ان کے راستے سے بھی راضی ہے اور اللہ جس چیز سے راضی ہے وہی ہماری اتباع ہے۔

تیسرے یہ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اختلاف کے وقت اپنے اور صحابہ کے طریقے کو اپنانے کی ہدایت فرمائی ہے چنانچہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا:

”فإِنَّهُ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِی فَسَيَرٰی اخْتِلَافًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِی وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الْمَهْدِيِّينَ الرَّاشِدِينَ تَمَسَّكُوا بِهَا وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ“.

وجہ استدلال:

یہ حدیث بتاتی ہے کہ اختلاف اور افتراق کے وقت صحابہ کا منہج ہی ہمارے لئے ضروری ہے۔

سلف کے اقوال سے دلیل:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

”اتبعوا ولا تبتدعوا، فقد كفيتم، كل بدعة ضلالة“.

”تم لوگ اتباع کرو ابتداع (نئی چیزیں ایجاد) مت کرو تمہارے پاس جو ہے وہ کافی ہے، ہر بدعت گمراہی ہے“۔

امام اوزاعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

”اصبر على السنة، وقف حيث وقف القوم، وقل بما قالوا وكُفّ عما كفوا عنه واسلك سبيل سلفك الصالح، فإنه يسعك ما وسعهم“.

ترجمہ: ”سنت پر صبر کرو اور وہاں ٹھہر جاؤ جہاں سلف ٹھہر گئے۔اور وہی کہو جو انہوں نے کہا۔اور ان چیزوں سے رک جاؤ جن سے وہ لوگ رک گئے اور سلف صالحین کے طریقہ پر چلو کیوں کہ جو چیز ان کے لئے کافی اور کشادہ رہی تمہیں بھی کافی اور کشادہ ہوگی“۔

آپ نے یہ بھی کہا:

”عليك بآثار من سلف وإن رفضك الناس، وإياك وآراء الرجال وإن زخرفوا لك بالقول؛ فإن الأمر ينجلي وأنت منه على صراط المستقيم“.

ترجمہ: ”سلف کے آثار پر تم چلو گرچہ لوگ آپ کو دھتکار دیں، اور لوگوں کی آراء اپنانے سے بچو خواہ ان کے انداز کتنے ہی دل کش کیوں نہ ہوں؛ کیوں کہ معاملہ واضح ہے اور تم اس حوالے سے سیدھی راہ یعنی صراط مستقیم پر ہو“۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مشہور قول ہے:

"من كان مستنا فليسن بمن قد مات فإن الحي لا تؤمن عليه الفتنة، أولئك أصحاب محمد ﷺ كانوا أفضل هذه الأمة أبرها قلوبا وأعمقها علما وأقلها تكلفا اختارهم الله لصحبة نبيه ولإقامة دينه فاعرفوا لهم فضلهم

واتبعوهم على آثارهم وتمسكوا بما استطعتم من أخلاقهم وسيرهم فإنهم كانوا على الهدى المستقيم".

منہج اہل حدیث پر وارد اشکالات کا علمی جائزہ:

اشکال نمبر 1:

صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال ہمارے لئے حجت نہیں کیونکہ ہمیں صرف کتاب و سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾ [الاعراف: ۳]

جواب: یہ اشکال دراصل غلط فہمی کا نتیجہ ہے یا پھر خلط مبحث کی کوشش، کیونکہ بحث یہ نہیں کہ صحابہ و تابعین کے اقوال و افعال ہمارے لیے حجت ہیں یا قرآن و سنت۔ کوئی مسلمان یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر صحابہ و تابعین کے اقوال حجت ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ قرآن و سنت پر عمل کے لیے پہلے اس کا فہم ضروری ہے۔ عمل تو تب ہی ہوگا، جب اس کو صحیح طور پر سمجھ لیا جائے گا۔

جب یہ بات تسلیم ہے کہ قرآن و سنت کو پہلے صحیح طور پر سمجھا جائے گا، پھر عمل کیا جائے گا تو پھر عمل کے لیے قرآن و سنت کا کوئی مفہوم تو بہر حال متعین کرنا ہی پڑے گا۔ اگر سلف صالحین یعنی صحابہ کرام جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے معیار قرار دیا ہے، کا فہم حجت نہیں تو کیا بعد کے لوگوں کا اپنا فہم حجت ہے؟ کتاب و سنت اور اقوال سلف کی روشنی میں قرآن و سنت کا مفہوم وہی معتبر ہوگا جو صحابہ نے معین کر دیا ہے۔ ان کے مقابلے میں بعد والوں کا فہم کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ کیونکہ نبی پاک ﷺ نے شریعت کی تفہیم و تبلیغ سب سے پہلے صحابہ کے سامنے پیش کی ہے اور صحابہ نے شریعت کو نازل ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور نبی پاک ﷺ کی تربیت میں اسے سیکھا ہے۔ اور صحابہ کے عمل اور طریقے کو نبی ﷺ کی منظوری حاصل ہے، سو وہی ہمارے لیے دین میں اتھارٹی ہیں اسی لیے نبی پاک ﷺ نے فرمایا ہے:

"فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، وعضوا عليها بالنواجذ". [سنن ابی داوٗد: 4607]

اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے اپنی سنت کے ساتھ صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقے اور منہج کو بھی لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح نبی پاک ﷺ نے حدیث افتراق کے اندر فرمایا ہے: **(ما أنا عليه وأصحابي)** جس سے پتہ چلتا ہے کہ منہج نبوی کے ساتھ منہج صحابہ بھی ضروری ہے دین کی تفہیم و تشریح اور اس پر عمل کرنے میں۔

اسی طرح قرآن میں بھی اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے:

﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ [النساء: ۱۱۵]

یہاں اللہ تعالیٰ نے (جہنم میں جانے کا سبب) رسول اکرم ﷺ کی نافرمانی کے ساتھ ساتھ مومنوں کی راہ پر نہ چلنا بھی بیان کیا ہے۔ اور حدیثوں کی روشنی میں یہاں مومنوں کے راستے سے مراد صحابہ کا منہج اور طریقہ ہے۔

دین کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے میں صحابہ کے منہج کو معیار کیوں بنایا گیا؟ دراصل اس میں ایک بہت ہی بڑی نصیحت ہے۔

کیوں کہ ہر فرقہ اور ہر گروہ کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ کتاب وسنت پر کاربند ہے۔

اب ان تمام فرقوں کے درمیان فیصلہ کن چیز کون سی ہے، حالانکہ سب کا دعویٰ یہی ہے کہ وہ کتاب وسنت پر عمل کرتے ہیں؟ اس بات کا جواب اس آیت کریمہ اور سابقہ حدیثوں میں موجود ہے۔

یعنی جس کا فہم اور عمل صحابہ کرام کے منہج کے مطابق ہوگا وہی کتاب وسنت پر عمل کرنے والا مانا جائے گا۔

علامہ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إنّ سبب ضلال الفرق كلها قديما و حديثا هو عدم التمسّك بهذه الدعامة الثالثة: أن نفهم الكتاب والسنّة على منهج السلف الصالح.

ترجمہ: "قدیم اور جدید تمام گمراہ فرقوں کی گمراہی کا سبب صرف اس تیسرے اصول کو چھوڑنا ہے۔ اور تیسرا اصول یہ ہے کہ ہم کتاب وسنت کا فہم سلف صالحین کے منہج کے مطابق لیں۔

نیز اہل حدیث سلفیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"إنّهم يدعون إلى فهم الكتاب و السنّة على منهج السلف الصالح، لا يكتفون فقط بدعوة المسلمين إلى الرجوع إلى الكتاب والسنة، بل يزيدون على ذلك إلى الرجوع إلى الكتاب والسنّة على منهج السلف الصالح". [دروس الشیخ الالبانی : ۱۵/۳۸]

سو معلوم رہے کہ اہل حدیث شریعت یعنی کتاب وسنت کو اسی طرح سمجھتے اور اس پر عمل کرتے ہیں جس طرح قرآن وسنت کو صحابہ نے سمجھا اور ان پر عمل کیا، اب قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے یہی معیار عمل ہے۔ جس طرح کہ صحابہ نے کیا تھا اور صحابہ سے سیکھ کر تابعین نے کیا تھا۔ اور یہی اہتمام فرمایا ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے اندر کہ قرآن مجید کی آیات بھی ذکر کرتے ہیں، احادیث نبویہ بھی ذکر کرتے ہیں، رسول اکرم ﷺ کی سنن بھی ذکر کرتے ہیں اور صحابہ وتابعین کے فتاویٰ بھی ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے کس طرح سمجھا تھا۔ یہ منہج ہے الحمد للہ اہلحدیث کا، جو امام بخاری رحمہ اللہ نے لوگوں کے لیے بالکل واضح طور پر پیش کر دیا ہے۔

اشکال نمبر 2:

آپ جب سلف صالحین، یعنی صحابہ کے فہم کو معتبر سمجھتے ہیں اور بعد والوں کے فہم کو کچھ بھی حیثیت نہیں دیتے تو پھر بہت سے مسائل میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ کرام کی طرف کیوں رجوع کرتے ہیں اور ان کی عبارتیں کیوں پیش کرتے ہیں؟

جواب: یہ بھی ایک مغالطہ اور غلط فہمی پر مبنی بات ہے، کیونکہ ہم نے یہ کبھی نہیں کہا کہ بعد والے ائمہ دین کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں، بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ سلف کے مقابلے میں بعد والے ائمہ کے اقوال کی کوئی حیثیت نہیں، لہٰذا ہمارا قول مقید ہے، عام نہیں۔ اسے عموم پر محمول کرنا زیادتی ہے۔

مثلاً بالفرض کسی آیت یا کسی حدیث کا ایک مفہوم صحابیٔ رسول بیان کریں اور دوسرا ابن تیمیہ رحمہ اللہ تو ہم سلفی لوگ کہیں گے کہ صحابیٔ رسول کے مقابلے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا فہم کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ لیکن اس کے برعکس اگر ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول سلف کے قول کے مخالف نہ ہو تو ہم اہل الحدیث اسے اپنے سر ماتھے پر رکھیں گے۔ کوئی ایسی مثال پیش نہیں کی جا سکتی، جس میں ہم نے

سلف کے مقابلے میں ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فہم کو ترجیح دی ہو۔اسی پر قیاس ہر ایک کے قول کو کرلیں خواہ وہ ائمہ متبوعین ہوں یا کوئی دوسرا۔

اہل الحدیث کے اسلاف کا بھی یہی طرز عمل تھا کہ وہ صحابہ کرام کے فہم کے مقابلے میں تابعین کے فہم کو معتبر نہیں سمجھتے تھے۔

اشکال نمبر 3:

سلف صالحین بھی آخر انسان تھے۔ان سے بھی قرآن وسنت سمجھنے میں غلطی کا امکان موجود تھا۔

جواب: یہ بات بالکل درست ہے کہ سلف صالحین یعنی صحابہ بھی انسان تھے، یقیناً ان کو بھی غلط فہمی ہوسکتی تھی، لیکن سب کے سب کبھی کسی غلطی پر جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ صحابہ سب کے سب قرآن وسنت کی کسی نص کو سمجھ نہ پائے تھے تو اس کی گمراہی میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

پھر یہ بات کہنے والا کیا بعد والے ائمہ دین یا اپنے آپ کو غلطی سے مبرا سمجھتا ہے؟ اگر سلف سے فہم میں غلطی ہوسکتی تھی تو بعد والوں سے بدرجہ اُولیٰ ہوسکتی ہے، کیونکہ صحابہ نے اس دین کو قریب سے دیکھا ہے۔لہٰذا جس سے غلطی کا امکان زیادہ ہے، اس کے فہم کے مقابلے میں ان لوگوں کا فہم معتبر ہوگا، جن سے غلطی کا امکان کم تھا۔ بالخصوص جنہیں اللہ اور اس کے رسول نے معتبر جانا ہو اور جنہیں لائق اتباع مانا ہو۔

اشکال نمبر 4:

کئی صحابہ کے کئی تفردات مشہور ہیں۔ اگر فہم سلف حجت ہے تو پھر ان تفردات پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا؟

جواب: کچھ لوگ منہج سلف کا انکار کرنے کے لیے اکثر صحابہ کرام کے ایسے تفردات پیش کرتے ہیں، جن کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان صحابہ کرام تک اس بارے میں حدیث پہنچی ہی نہیں ہوتی اور وہ اپنے اجتہاد پر عمل کر رہے ہوتے ہیں۔

یا یہ لوگ کسی ایسے مسئلہ کو دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں، جس میں صحابہ کرام کی رائے اور ان کا اجتہاد مختلف ہوگیا تھا، کچھ صحابہ کرام نے کسی نص کا ایک مطلب سمجھا اور کسی صحابی نے کچھ اور سمجھ لیا، لیکن ایسے مسائل پیش کرنے سے ان کا مدعا ذرہ ابرابر بھی ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ منہج سلف کسی ایک صحابی کے فہم کا نام نہیں، بلکہ اس سے مراد مجموعی فہم ہوتا ہے، مثلاً اگر صحابہ کرام قرآن وسنت کی کسی نص کے فہم میں متفق الخیال ہوں تو پھر بھی فہم صحابہ ہی معتبر ہوگا، لیکن اگر وہ کسی نص کے فہم میں مختلف الخیال ہوں اور ان کی تین مختلف آراء ہوں تو پھر صحابہ کرام کی آراء کے مجموعہ میں سے وہی رائے اور فہم، جو قرآن وسنت کے موافق ہو اسے لیا جائے گا، نہ کہ سب کے فہم کو چھوڑ کر ایک نیا فہم نکالیں گے، اس طرح دونوں صورتوں میں فہم صحابہ ہی معتبر ٹھہرا۔

اسی طرح کسی مسئلے میں اگر کسی صحابی کو غلط فہمی ہوئی ہے تو درست بات کس کو سمجھ آئی ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہوسکتا کہ سب صحابہ دین کے سمجھنے میں غلطی پر رہے ہوں، کسی ایک کو بھی سمجھ نہ آئی ہو اور بعد والے کسی شخص کو صحیح بات سمجھ آئی ہو۔ ایسا کہنا تو عقیدے کی سخت خرابی اور بہت بڑی گمراہی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو منہج سلف کی روشنی میں کتاب وسنت پر عمل کرنے والا بنائے، دین کے احکام کو صحابہ کے فہم کی روشنی میں سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔

و صلى الله على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

عقیدہ ومنہج

سواداعظم کی حقیقت

● شیخ مختاراحمد محمدی مدنی (سعودی عرب)

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی بےشمار خصوصیات وخوبیاں ہیں انہی میں سے ممبئی واطراف کے علماء ودعاۃ، خطباء وائمہ مساجد کے لئے ہرسال دورۂ تدریبیہ کاانعقاد ہے۔جس میں انتہائی اہم اورمنہجی وعقدی موضوعات پرتمام شرکاءکوسلف صالحین کے فہم وعقیدہ کے مطابق تعلیم وتربیت کی جاتی ہے۔ یہ جمعیت اہل حدیث ممبئی کا طرۂ امتیاز ہے۔ میرے لئے یہ باعث صد افتخار ہے کہ مجھے بھی شرکت کاموقع دیا جاتا ہے۔اس کی مناسبت سے مجلۃ الجماعۃ کاخصوصی شمارہ بھی نکالا جاتا ہے۔جس میں جن موضوعات پرخطاب ہوتا ہے ان کوتحریر کی شکل میں شائع کیا جاتا ہے تاکہ فائدہ عام ہو۔

چونکہ میں مسلسل سفر میں ہوں دعوتی مصروفیات الگ ہیں، مجلۃ الجماعۃ کے مدیرمحترم شیخ عبدالحکیم مدنی صاحب سے اسی طرح دورۂ تدریبیہ کے ذمہ داران خصوصاً شیخ عبدالرشید سلفی صاحب ناظم صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی سے معذرت کرلی تھی دونوں حضرات نے اعتذار بھی قبول کرلیا تھالیکن آج بروز منگل امیرمحترم کے دولت کدہ پردوپہر کے کھانے پراس موضوع پرگفتگوہوئی توامیرمحترم نے لکھنے پرزوردیااورمیرے لئے امیر محترم کی کسی بات کاردکردینا انتہائی مشکل ہوتاہے، چاروناچار میں نے موافقت کردی۔ اور چندسطور اس موضوع سے متعلق حوالہ قرطاس کرنے کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔

سواداعظم کامعنی ومطلب:

لغوی اعتبار سے سواداعظم کامعنی ہے بڑی جماعت۔ [تہذیب اللغۃ]

شریعت کی اصطلاح میں:

سواد اعظم سے مراد اس امت کے سلف صالحین ہیں۔ تین صدیوں کے بہترین لوگ اور جوان کے راستے پر چلے، جوحق وسنت پرجمع ہوئے اورافتراق وبدعت سے اجتناب کیا خواہ ان کی تعداد زیادہ ہو یا کم۔ [شرح السنہ للبربہاری،الاعتصام للشاطبی]

یہ نام نبی ﷺ کی اس حدیث سے ماخوذ ہے جس میں آپ نے فرمایا:

"افترقت بنو إسرائيلَ على إحدى وسبعين فرقةً - أو قالَ: اثنتين وسبعينَ فرقةً -، وتزيدُ هذه الأمَّةُ فرقةً واحدةً؛ كلها في النار؛ إلا السواد الأعظم".[ابن أبی عاصم فی السنة والطبرانی فی الاوسط والكبير، ولالكائی فی شرح اصول الاعتقاد، اسناد حسن:۱/۳۴]

’’بنی اسرائیل اکہتر (یا فرمایا: بہتر) فرقوں میں تقسیم ہوگئے، اوراس امت میں ایک فرقے کا اضافہ ہوجائے گا یہ سب (فرقے) جہنم میں جائیں گے سوائے ایک کے اور وہ ہے سواد اعظم‘‘۔

سواد اعظم کے نام کے علاوہ اس جماعت کے مزید اور نام ہیں جیسے: **أهل السنة والجماعة، الجماعة، السلف، أهل الحديث، أهل الأثر، الفرقة الناجية، الطائفة المنصورة.**

سواد اعظم کی تفسیر یا اس کا معنی کثرت تعداد لینا یہ جائز اور درست نہیں ہے، اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَإِن تُطِعۡ أَكۡثَرَ مَن فِي ٱلۡأَرۡضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ﴾[الانعام:۱۱۶]

’’اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کردیں‘‘۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

’’بَدَأَ الْإِسْلَامُ غَرِيبًا وَسَيَعُودُ كَمَا بَدَأَ فَطُوبَى للغرباء‘‘.[مسلم]

’’اسلام اجنبیت کی حالت میں شروع ہوا تھا اور عنقریب پھر ویسا ہی اجنبی ہو جائے گا جیسا آغاز میں تھا تو خوشخبری ہے اجنبیوں کے لیے‘‘۔

لہٰذا سواد اعظم سے مراد حق پر چلنے اور قائم رہنے والی جماعت ہے، خواہ ان کی تعداد کم ہی کیوں نہ ہو۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ کی دعوت قبول کرنے والوں کی تعداد کم تھی لیکن وہی حق پر تھے، یہی حال تمام انبیاء ورسل اور ان کے متبعین کا رہا ہے کہ ان کی تعداد کم رہی اور ان کے مقابلے میں اہل باطل کی تعداد زیادہ رہی۔ خلاصہ یہ ہے کہ صحابہ، تابعین سلف صالحین کے طریقے پر چلنے والے اور ان کی پیروی کرنے والے ہی سواد اعظم ہیں۔ چاہے ان کی جماعت قلیل ہو یا کثیر، قلت وکثرت سے ان کا حق متاثر نہیں ہوگا، اور اہل حق کا گروہ قلت وکثرت سے قطع نظر ہمیشہ موجود رہے گا اور حق پر نہ چلنے والوں کی اقلیت یا اکثریت اس کو کبھی بھی نقصان نہ پہونچا سکے گی۔ ملت اسلامیہ کے جاہل و بدعقیدہ لوگ سواد اعظم کے لغوی معنی پر فخر کرنے والوں کے لئے اس حدیث میں کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ وہ اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں:

﴿مِنَ ٱلَّذِينَ فَرَّقُواْ دِينَهُمۡ وَكَانُواْ شِيَعٗاۖ كُلُّ حِزۡبِۭ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُونَ﴾[الروم:۳۲]

’’ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور خود بھی گروہ گروہ ہوگئے ہر گروہ اس چیز پر جو اس کے پاس ہے مگن ہے‘‘۔

بخاری ومسلم میں معاویہ رضی اللہ عنہ والی حدیث متلاشیان حق کے لئے کس قدر عظیم سچ ہے کہ جس کا انکار کوئی بھی نہیں کرسکتا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’لا يَزالُ مِن أُمَّتي أُمَّةٌ قائِمَةٌ بأَمْرِ اللَّهِ، ما يَضُرُّهُمْ مَن كَذَّبَهُمْ ولا مَن خالَفَهُمْ، حتَّى يَأْتِيَ أمْرُ اللَّهِ وهُمْ علَى ذلكَ‘‘.

’’میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم

رہے گی، انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، نہ وہ جو انہیں جھٹلائیں گے اور نہ وہ جو ان کی مخالفت کریں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے، اور وہ اسی حالت پر قائم ہوں گے''۔

صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں:

"لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي قَائِمَةً بِأَمْرِ اللَّهِ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ أَوْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ عَلَى النَّاسِ".

''میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گی، انہیں رسوا کرنے والے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، اور نہ ہی وہ جو ان کی مخالفت کریں گے، یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے، اور وہ لوگوں پر غالب اور ظاہر رہیں گے''۔

یہاں اس حدیث میں طائفہ کا لفظ آیا ہے اور طائفہ امت سے کم کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے بلکہ دوسری روایت میں عصابہ کا لفظ آیا ہوا ہے جس سے مزید تعداد کی کمی کا پتہ چلتا ہے، یعنی کسی زمانہ میں ان اہل حق کتاب وسنت پر عمل کرنے والوں کی تعداد ایک امت کے برابر ہوگی، جیسے عیسیٰ ومہدی علیہما السلام کے زمانے میں، تو کسی دور میں طائفہ کے برابر اور کسی زمانہ میں عصابہ کے برابر، اور یہ کہ وہ لوگوں پر غالب رہیں گے۔ حجت وبرہان کے لحاظ سے۔ اور الحمدللہ یہ جماعت آج تمام احزاب وجماعت پر غالب ہیں۔

امام اسحاق بن راہویہ سے پوچھا گیا سواد اعظم کون ہیں؟ فرمایا: **"محمد بن أسلم الطوسی ومن معه"**. پھر کہا اگر تم جاہلوں سے پوچھو سواد اعظم کون ہیں؟ تو کہیں گے لوگوں کی اکثریت، ان بیچاروں کو نہیں معلوم کہ جماعت متمسک عالم کو کہا جاتا ہے جو نبی کے طریقے پر چلے، اور جو اس کے ساتھ ہو وہ جماعت ہے اور جو اس کی مخالفت کرے اس نے جماعت کو چھوڑ دیا۔ [حلیۃ الأولیاء]

امام ابن القیم، امام اسحاق بن راہویہ کے اس قول پر فرماتے ہیں:

"وصدق والله فإن العصر إذا كان فيه عارف بالسنة داع إليها فهو الحجة وهو الإجماع وهو السواد الأعظم وهو سبيل المؤمنين التي من فارقها واتبع سواها ولاه الله ما تولى وأصلاه جهنم وساءت مصيرا".

''اللہ کی قسم! انہوں نے بالکل سچ فرمایا؛ جب کسی زمانے میں سنت کا جانکار اور اس کی دعوت دینے والا موجود ہو تو وہی شخص حجت ہے، وہی اجماع ہے، وہی سواد اعظم ہے، اور وہی سبیل المؤمنین (یعنی: مؤمنوں کا راستہ) ہے۔ جو کوئی اس سے جدا ہوا اور کسی اور راہ کی پیروی کی، تو اللہ تعالیٰ اسے اسی کے حوالے کر دیتا ہے جس کی وہ پیروی کرتا ہے، اور اسے جہنم میں داخل کرے گا، اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے''۔

مزید فرماتے ہیں:

"واعلم أن الإجماع والحجة والسواد الأعظم هو العالم صاحب الحق وإن كان وحده، وإن خالفه أهل الأرض". [إعلام الموقعين]

''جان لو کہ اجماع، حجت اور سواد اعظم صاحبِ حق عالم ہے

اگر چہ وہ اکیلا ہی ہو، اگر چہ روئے زمین کے سارے لوگ اس کی مخالفت کریں''۔

امام بر بہاری فرماتے ہیں: اللہ کے رسول نے اپنی امت کے لئے سنت کو کھول کھول کر بیان کر دیا۔ اور اپنے صحابہ کے لئے واضح طور پر بیان کر دیا وہی جماعت تھے، وہی سواد اعظم تھے، سواد اعظم کا مطلب یا معنی ہے ''حق اور حق والے''۔ [شرح السنۃ]

صحابہ اپنے زمانے کے سواد اعظم تھے، تابعین اپنے زمانے کے سواد اعظم تھے اسی طرح ہر زمانے کے اہل حق سواد اعظم ہوتے ہیں، کیونکہ وہ اس حق پر ہوتے ہیں جسے دے کر نبی کو مبعوث کیا گیا۔

امام شاطبی رحمہ اللہ جماعت سے کیا مراد ہے اس سلسلے میں اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

"وذلك أن الجميع اتفقوا على اعتبار أهل العلم والاجتهاد سواء ضموا إليهم العوام أم لا، فإن لم يضموا إليهم فلا إشكال لأن الاعتبار إنما هو بالسواد الأعظم من العلماء المعتبر اجتهادهم، فمن شذ عنهم فمات فميتته جاهلية، وإن ضموا إليهم العوام فبحكم التبع لأنهم غير عارفين بالشريعة، فلا بد من رجوعهم في دينهم إلى العلماء فإن هم تمالأوا على مخالفة العلماء فيما حددوا لهم لكانوا هم الغالب والسواد الأعظم في ظاهر الأمر، لقلة العلماء وكثرة الجهال، فلا يقول أحد: إن اتباع جماعة العوام هو المطلوب، وأن العلماء هم المفارقون للجماعة والمذمومون في الحديث. بل الأمر بالعكس، وأن العلماء هم السواد الأعظم وإن قلوا. والعوام هم المفارقون للجماعة إن خالفوا، فإن وافقوا فهو الواجب عليهم".

[الاعتصام للشاطبي]

''تمام لوگوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سواد اعظم سے مراد اہل علم واجتہاد ہیں خواہ عوام کو اپنے ساتھ شامل کریں یا نہ کریں، اور اگر اپنے ساتھ شامل نہ کریں تو بھی کوئی مشکل نہیں کیونکہ اعتبار تو صرف سواد اعظم کا ہے یعنی ان علماء کا جن کا اجتہاد معتبر ہے، لہٰذا جو ان سے الگ تھلگ ہوا اور اس کی موت ہوگئی تو اس کی موت جاہلی موت ہے۔ اور اگر وہ عوام کو اپنے ساتھ شامل کریں تو بھی ان کا حکم تابع اور پیروکار کا ہوگا کیونکہ وہ شریعت سے واقف نہیں ہیں۔ اس لئے انہیں اپنے دین کے معاملے میں علماء کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ اور اگر وہ ان مسائل میں علماء کی مخالفت پر آمادہ ہوں جنہیں علماء نے ان کے لئے متعین کیا ہے تو بظاہر وہی غالب اور سواد اعظم ہو جائیں گے کیونکہ علماء کم اور جہلاء زیادہ ہو جائیں گے۔ لہٰذا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ عوام کی جماعت کی اتباع مطلوب ہیں اور علماء جماعت سے جدا اور حدیث میں قابل مذمت ہیں، بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے، علماء ہی سواد اعظم ہیں اگر چہ ان کی تعداد کم ہو، اور عوام ہی جماعت سے جدا ہیں اگر وہ علماء کے مخالف ہوں، اور اگر وہ ان کے موافق ہوں تو وہی مطلوب ہے''۔

سواد اعظم سے متعلق انس بن مالک سے جو حدیث مروی ہے جس کے الفاظ اس طرح ہیں:

”إنَّ أمَّتي لا تجتَمعُ على ضلالةٍ فإذا رأيتُمُ اختِلافًا فعليْكُم بالسَّوادِ الأعظمِ“.[سنن ابن ماجہ]

”یقیناً میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی، لہٰذا جب تم اختلاف دیکھو تو تم پر لازم ہے کہ سواد اعظم کے ساتھ رہو“۔

اس حدیث کی روایت میں ابن ماجہ منفرد ہیں، اور یہ حدیث سخت ضعیف ہے اس میں ابو خلف الاعمی حازم بن عطاء متروک ہے، ابن معین نے اسے کذاب کہا ہے، اور اس میں ایک دوسرے راوی ہیں جس کا نام معان بن رفاعۃ ہے وہ ضعیف ہے، البتہ اس حدیث کا پہلا ٹکڑا صحیح ہے۔

امام البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ضعیف جداً“ ہے البتہ پہلا ٹکڑا صحیح ہے۔

شیخ زبیر علی زئی نے بھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اسی طرح انس سے مروی ایک دوسری روایت ہے وہ بھی ضعیف ہے جس کے الفاظ ہیں:

”اتَّبِعُوْا السَّوادَ الأعظَم فإنَّهُ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ“.

”سواد اعظم کی پیروی کرو، کیونکہ جو شخص الگ ہوا، وہ تنہا ہو کر آگ میں گر گیا“۔

یہ بھی ابو خلف الاعمی اور معان بن رفاعہ کی وجہ سے سخت ضعیف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ سواد اعظم سے مراد وہ جماعت ہے جو کتاب وسنت پر سلف صالحین کے فہم وعقیدہ اور منہج کے مطابق قائم ہو، خواہ اس کی تعداد کم ہو یا زیادہ۔ یہی سبیل المومنین ہے اور یہی صراط مستقیم ہے۔ اور اگر کوئی اس سے مراد کثرت لے اور یہ کہے کہ بڑی تعداد والی جماعت مراد ہے تو اس کا قول بے بنیاد ہے کتاب وسنت اور اقوال سلف صالحین کے خلاف ہے کیونکہ اہل باطل و اہل بدعات وخرافات کی تعداد ہر زمانہ میں زیادہ رہی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی حدیث ہے کہ قیامت کے دن ایسے انبیاء بھی ہوں گے جن کے پیچھے چلنے والے دو تین ہوں گے، ظاہر ہے وہی حق پر تھے، وہی سواد اعظم تھے گرچہ ان کی تعداد کم تھی۔

ایسے ہی اللہ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ﴾ [سبا: ۱۳]

”میرے بندوں میں سے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں“۔

اور آپ ﷺ نے افتراق امت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: بہتر فرقے جہنم میں جائیں گے، صرف ایک فرقہ جنت میں جائے گا، پوچھا گیا وہ کون ہیں؟ فرمایا: جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

یہ حجت ہیں اجماع ہیں، جو ان کے راستے پر چلے گا وہی برحق ہوگا وہی سواد اعظم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو تنہا امت قرار دیا۔

تحریک وتنظیم

جماعتی زندگی ۔ مفہوم اور تقاضے

● شیخ نثار احمد محمد مستقیم مدنی (شیخ الجامعہ جامعۃ التوحید، بھیونڈی)

انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے انفرادیت، عزلت گزینی، گوشہ نشینی ورہبانیت انسانی فطرت سے میل کھاتا اور نہ ہی ہم آہنگ ہے اللہ تعالیٰ نے اسی سے اسکا جوڑا بنایا، نسل انسانی کی افزائش فرما کرانہیں مختلف شعوب وقبائل میں بانٹا نیز انسانی وجود کو 360 اعضاء ومفاصل کا مجموعہ قرار دے کر اس فرد بشر کو اجتماعیت کا پیکر مجسم قرار دیا اور اسے خاندانی، سسرالی، ایمانی، تجارتی اور مختلف کڑیوں سے مربوط کر کے ہر فرد کو راعی یعنی ذمہ دار قرار دیا ہے جو معاشرے میں گھر، مسجد، نیز اپنی حیثیت کے مطابق دینی و دنیاوی کسی بھی سطح کا سربراہ ہے جماعتی زندگی کو عزلت گزینی پر فوقیت دیتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"المؤمِنُ الذي يُخالِطُ الناسِ ويَصبِرُعلى أذاهُمْ، أفضلُ من المؤمِنِ الّذي لايُخالِطُ النَّاسَ ولايَصبرُعلى أذاهُمْ". [صحیح ابن ماجہ:4032]

''جو مومن لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہتا اور ان کے آزار پر صبر کرتا ہے وہ کہیں زیادہ افضل ہے اس مومن سے جو لوگوں کے ساتھ جڑ کر رہتا اور نہ ہی ان کی ایذا رسانیوں پر صبر کرتا ہے''۔

اسی کو شاعر مشرق بیان کرتے ہیں:

فرد قائم ربطِ مِلّت سے ہے، تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

حقیقت یہ ہے کہ اجتماعیت کا تصور کائنات کے طول وعرض میں بکھرا ہوا ہے، اشجار ہوں یا کلیاں، نباتات ہوں، یا حیوانات، چرند وپرند ہوں یا بحر وبر کی مخلوق، فرشتوں کا رب کی بارگاہ میں صف بستہ کھڑا ہونا ہو یا تمام سیاروں، کہکشاؤں کا ایک نظام سے منسلک ہوکر اپنے اپنے مدار میں گردش پیما ہونا ہر کوئی اپنے طریقے پر اجتماعیت کا جزو ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اجتماعیت اللہ کی حکمت تخلیق کا حصہ ہے۔

جماعتی زندگی کا مفہوم:

جماعت سے مراد علماء حق کی وہ جماعت ہے جنہیں فہم صحابہ کے مطابق کتاب وسنت پر دسترس اور مہارت حاصل ہے۔ یہ کسی کی مرضی کا اسلام نہیں ہے کہ جو چاہا اپنی مرضی سے اسلام کی تعبیر وترجمانی پیش کردی بلکہ وہ عقیدہ وعمل، اخلاقیات ومعاملات اور نظام حکومت وسیادت میں حق کے اردگرد رہتے ہیں چاہے تعداد میں تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں؟ یہ کوئی رجسٹرڈ تنظیم یا پارٹی کا نام نہیں ہے بلکہ حق پر قائم رہنے والے لوگ ہی اصل جماعت ہیں امام عبداللہ مبارک سے جب جماعت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا: ابوبکر وعمر، ان سے کہا گیا وہ تو وفات پا چکے ہیں تو فرمایا فلاں فلاں پھر کہا گیا، وہ بھی وفات پا چکے ہیں تو آخر میں فرمایا ابوحمزہ السکری خود ایک جماعت ہیں''۔ [صحیح سنن ترمذی: 2167

کتاب الفتن/ باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ]

اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''جماعت وہ ہے جو حق کے موافق ہو اگرچہ تم اکیلے ہی کیوں نہ ہو''۔ [شرح اعتقاد اُصول اہل السنۃ 160 وصحہ الألبانی]

معلوم ہوا کہ جماعت اور جماعتی زندگی سے مقصود بندہ کا اپنے خالق یا اس کے مخلوق کے مابین ہر طرح کے تعلقات، معاملات اور تمام تر عبادات کو عقیدہ اور حق کی اساس پر قائم رہنا ہے جسکے یہاں ثواب وعقاب کے تئیں ربانی نظام کے تابع پوری امت ایک جسم کے مانند ہے جس کے تحت درد والم اور خوشی وغمی میں باہم سب ایک ہیں. اور دل کے فیصلے پر سمعا وطاعۃ ہر عضو سرگرم عمل ہے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

''مسلمانوں کی ایک دوسرے سے محبت، ایک دوسرے کے ساتھ رحم دلی اور ایک دوسرے کی طرف التفات وتعاون کی مثال ایک جسم کی طرح ہے، جب اس کے ایک عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو باقی سارا جسم بیداری اور بخار کے ذریعے سے (سب اعضاء کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر) اس کا ساتھ دیتا ہے۔" [صحیح مسلم: 6586]

اور مختلف اینٹوں سے مربوط عمارت سے تشبیہ دیتے ہوئے فرمایا:

"إن المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا وشبك بين أصابعه". [صحیح بخاری: 481]

''ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک عمارت کے مانند ہے کہ اس کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ کو تقویت ملتی ہے اور آپ نے انگلیوں کو باہم ملایا''۔

مزید فرمایا ہے کہ:

''جو شخص بھی جماعت سے ایک بالشت بھر الگ ہوا اور اسی حالت میں اس کی وفات ہوگئی تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔'' [صحیح مسلم: 4786]

اور جب بندہ جماعتی زندگی بسر کرتا ہے تو اللہ کی مدد آتی ہے فرمایا: "يدالله على الجماعة". [صحیح سنن ترمذی: 2167]

''اور اللہ کی مدد جماعت کے ساتھ ہے''۔

جماعتی زندگی یہ نہیں کہ باہم مل کر تفریح طبع یا مفروضہ دنیاوی مقاصد کے لیے یکجا ہونے کی خاطر کسی کلب، ادارہ، انجمن یا کمیٹی تشکیل دی جائے یا قرآن وسنت اور فقہ اسلامی سے مستغنی ہوکر اپنے خود تراشیدہ اور خانہ ساز اصول کے تحت کوئی سوسائٹی وضع کرلی جائے جس میں ملکی، قومی، سیاسی، اقتصادی، معاشی، دینی اور معاشرتی مفاد کو انجام دینے کی سعی کی جائے یا جس طرح سیاسی پارٹیوں کی طرح باہمی تفاہم کے ساتھ کچھ مفادات کی خاطر اتحاد کرلیں یہ بظاہر اجتماعی زندگی کا ایک مظہر ضرور ہے لیکن یہ منہج سلف اور روح اسلام کا آئینہ دار نہیں ہے کیونکہ امت مسلمہ کی یک جہتی واجتماعیت، اس کا اتفاق واتحاد، اور اس کا نظم وضبط محض اللہ کی وحدانیت، نیز رسول اکرم کے اس اسوہ حسنہ کے مطابق ہو جو آپ نے مدنی زندگی میں اپنوں اور دیگر جماعتوں کے ساتھ مواخات اور عہود ومواثیق کر کے ایک مثالی معاشرہ کی تشکیل کی تھی جس سے مقصود اللہ کی رضا جوئی، قرآن وحدیث کی سربلندی اور منہج سلف کی بالادستی تھی۔

صحابہ کرام اور جماعتی زندگی کا شعور:

حبر الأمۃ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"قَضْمُ الْمِلْحِ فِي جَمَاعَةٍ خَيْرٌ [أو أحَبُّ إليَّ] مِنْ أَكْلِ الْفَالُوذَجِ فِي فُرْقَةٍ".

''جماعتی زندگی میں نمک چبا کر کے (مشکلات اٹھا کر کے رہنا) اختلاف کر کے فالودہ پینے سے بہتر ہے''۔ [شعب الایمان للبیهقی:۱۵/۱۱۵، حلیۃ الأولیاء:۱۰/۳۰۵، قال المحقق: إسناده حسن]

یعنی اگر اختلاف میں مزے ہوں، اختلاف میں نفع ہو، اختلاف میں دنیا کے فائدے ہوں، کسی غلط نیٹ ورک میں جا کر کے حق سے اختلاف کر کے اگر کچھ بڑی مصلحتیں اور منفعتیں اور پرافٹ ملتا ہو تو بھی وہ تمہارے لیے خطرناک ہے۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ: "لا إسْلامَ إلّا بِجَماعَةٍ"، اس آدمی کا اسلام معتبر ہی نہیں ہے جو اپنے اسلام کے ساتھ جماعتی زندگی نہیں جیتا۔ [سنن الدارمی: رقم: ۲۵۷، جامع بیان العلم وفضلہ: رقم: ۳۲۶]

اسلام میں جماعتی زندگی کے چند مظاہر:

(1) توحید باری تعالیٰ اور وحدت رسالات:

توحیدِ باری تعالیٰ، یعنی اللہ کی وحدانیت کا عقیدہ، واقعی وحدت اور یکجہتی کا سب سے خوبصورت اور کامل مظہر ہے۔ کیونکہ اللہ کو اسکی ذات، صفات، افعال اور عبادت میں ایک ماننا کسی کو شریک و سہیم نہ سمجھنا اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اس لئے کہ کائنات کا ہر ذرہ، ستارے سے لے کر ذرے تک، ایک ہی نظام کے تحت چل رہا ہے۔ یہ وحدتِ نظام، توحید کی عکاسی کرتی ہے۔ ایک اللہ کو ماننے کی صورت میں رنگ، نسل، زبان، قوم کے فرق مٹ جاتے ہیں اور سب ایک امت بن جاتے ہیں۔ ﴿إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [الحجرات:۱۰]

''مؤمن تو بھائی بھائی ہیں''۔

اور عبادت میں یکسوئی پیدا ہوتی ہے۔

نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں سب ایک ہی رب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ طواف کعبہ اور ہمہ وقت پوری دنیا میں دعا، نماز، میت کی تدفین وغیرہ کے موقع سے سب کا قبلہ کی سمت میں لازمی طور پر رہنا درحقیقت یہ توحید کی عملی وحدت کا حسین مظہر ہے۔

علاوہ ازیں شرک چاہے ذات باری تعالیٰ کے سلسلہ میں ہو یا رسول گرامی کے سلسلہ میں ہو اس سے دل بٹ جاتا ہے، فرقہ بندی، اور اختلاف وافتراق اور انشقاق کا لامتناہی سلسلہ دراز ہوتا ہے بالآخر ایک ہی رب، ایک ہی مقصد، ایک ہی منزل ایک ہی نبی، ایک ہی کتاب ایک ہی قبلہ کے ماننے والے صرف 73 فرقوں میں ہی نہیں بلکہ جنہیں امت بن کر رہنا تھا وہ اپنے عقائد واعمال کی وجہ سے مختلف ادیان ومذاہب کا روپ اختیار کر لیتے ہیں۔

توحید نہ صرف عقیدہ ہے بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے جو کائنات، معاشرے اور انفرادی زندگی میں وحدت کا حسین احساس دلاتی ہے۔ یہ وہی وحدت ہے جو امت کو طاقت دیتی ہے، فرقوں کو مٹاتی ہے، اور انسان کو اس کے اصل مقام مقام عبودیت وبندگی سے جوڑتی ہے۔

تمام انبیاء کرام جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک محل سے تعبیر کر کے خود کو اس کی آخری اینٹ قرار دیا ہے سب کی دعوت دعوت توحید تھی یہی وجہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں ہم علاتی بھائی ہیں ہمارے باپ ایک یعنی دعوت توحید اور مائیں (شریعتیں) جدا

ہیں۔(صحیح بخاری:3443) چنانچہ اسی روح کے ساتھ ایک بندہ مومن جب اعتصام بحبل اللہ کا پیکر بنتا ہے تو اقوام عالم سال میں تلبیہ جیسے عظیم توحید کے کلمات کی خوشبو سے اپنے قلوب واذہان اور فضاؤں کو معطر کرتے ہوئے رب کی بارگاہ میں حاضری دیتے ہیں۔آپ ﷺ کی آمد نے سابقہ تمام انبیاء کی شریعتوں کو منسوخ کر دیا اور آپ کے ذریعہ دین کی تکمیل نے آئندہ تمام تر بدعتوں، تقلیدی جکڑ بندیوں، تصوف کی موشگافیوں اور جھوٹے اولیاء کی کرامتوں پر قدغن لگا کر وحدت ویکجہتی اور اجتماعیت کا رول ماڈل پیش کرتا ہے۔

(2) حاکم وامیر نیز علماء حق کی اطاعت:

حاکم وقت اور علماء کرام جو قوموں کے سفینہ حیات کے حقیقی ناخدا ہوتے ہیں اسلامی حکومت ہو یا غیر اسلامی ممالک امن عامہ کی بحالی کے لیے حاکم وقت کی سمع وطاعت اور اس کے خلاف بغاوت وسرکشی، مظاہرات سے کوسوں دور رہنا اسلام کا اساسی رکن ہے اور جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں پر اسلامی حدود میں رہتے ہوئے ایک ذمہ دار امن پسند شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کرے اور وہاں پر مسلمانوں کی نمائندہ جماعتیں جو قوموں اور مسلکوں کی آواز، آبرو، وقار اور عقیدہ ومنہج کی ترجمان ہوا کرتی ہیں ان سے گہری وابستگی قائم کرے کیونکہ یہ ایوان حکومت اور مخالف جماعتوں وتنظیموں کے یہاں اپنے کاز، لائحہ عمل، جماعتی سرگرمیوں نیز مرکزی، صوبائی، ضلعی اور حلقہ جاتی اکائیوں کے سربراہان کی حسن قیادت وسیادت، عوام وخواص کے اعتماد کی وجہ سے اپنی منفرد شناخت رکھتی ہیں جن کے ذمہ داران علماء وسربراہان کی ہیبت، شان وشوکت، رعب ودبدبہ، اثر ورسوخ، خلوص ووفا اور دلوں پر راج کرنے کی وجہ سے امن وشانتی کا قیام ہوتا ہے ظلم وجور کا خاتمہ اور دین ودنیا کی سعادت ان کی سمع وطاعت میں پنہاں ہوتی ہے چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص امیر میں کوئی ایسی بات دیکھے جو اسے ناگوار ہو تو اس کو صبر کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص ”جماعت“ سے بالشت بھر بھی الگ ہو جاتا ہے پھر مر جاتا ہے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے“۔(صحیح مسلم: 4786)

سہل بن عبد اللہ تستری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **"لا يزال الناس بخير ما عظموا السلطان والعلماء، فإذا عظموا هذين أصلح الله دنياهم وأخراهم، وإذا استخفوا بهذين أفسد دنياهم وأخراهم".** [الجامع لأحكام القرآن للقرطبی:5/216]

”جب تک لوگ علماء وامراء کی تعظیم کریں گے خیر وبرکت میں رہیں گے اور ان کی تعظیم وتکریم کے نتیجہ میں اللہ دنیا وآخرت دونوں سنوار دے گا اور ان کے استخفاف کے نتیجے میں اللہ ان کی دنیا وآخرت دونوں کو تباہ وبرباد کر دے گا“۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ سے دین اسلام کا یہ لازمی عنصر رہا ہے کہ جماعت کے بغیر دین کا تصور نہیں اور امامت وقیادت کے بنا جماعت کا تصور عنقا ہے اور جہاں سمع وطاعت نہیں ہے تو پھر وہاں امامت وحکومت بھی بے حیثیت ہے اسی لیے سلف صالحین اس پہلو پر بہت ہی زیادہ توجہ دیتے تھے خصوصاً فتنوں کے ظہور، منحرف افکار ونظریات اور جہالت کے غلبہ کی صورت میں، کیوں کہ اس سے پہلوتہی کے نتیجے میں فسادات کا لامتناہی سلسلہ شروع

ہوجاتا ہے۔

(3): پنج وقتہ صلاۃ باجماعت:

اذان جوتوحید باری تعالیٰ کا اعلان اور اسلام کا شعار ہے اس کے ذریعہ دن میں پانچ دفعہ رب ذوالجلال کے سامنے جمع ہوکر ایک مسلمان اپنی وحدت، شیرازہ بندی اور اجتماعی قوت کا ثبوت پیش کرتا ہے کیونکہ یہ دلوں کے جوڑنے، خلیجوں کو پاٹنے، حسد وکینہ کو مٹانے اور باہم امیر وغریب، دوست ودشمن کو شیروشکر بنانے کا انتہائی مضبوط سسٹم ہے کیونکہ دن میں بار بار روئے زمین کی سب سے بہترین جگہ اپنی نیند، دنیا، اہل خانہ اور قیمتی سے قیمتی متاع کو چھوڑ کر موذن کی ندا پر لبیک کہنا یہ ثابت کرتا ہے کہ مسلمان یک جان ہیں، ایک امام کی اقتداء میں صف بندی انہیں چھوت چھات، اونچ نیچ اور انسانی بنیادوں پر ہر طرح کے بھید بھاؤ کا خاتمہ کرتا ہے فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

"ما من ثلاثة في قرية ولا بدو لاتقام فيهم الصلاة إلا قد استحوذ عليهم الشيطان، فعليك بالجماعة فإنما يأكل الذئب القاصية".
(صحیح سنن أبی داوٗد: 547)

''جس کسی گاؤں یا بستی میں تین فرد بھی ہوں اور ان میں صلاۃ باجماعت کا اہتمام نہ ہوتو شیطان ان پر مسلط ہو جاتا ہے لہذا تم جماعت کو لازم پکڑو، بھیڑیا ہمیشہ دور رہنے والی اکیلی بکری ہی کو کھاتا ہے''۔

صف بندی، صلاۃ جمعہ، عیدین، استسقاء، کسوف وخسوف وغیرہ کے لیے تمام اہالیان محلہ وقریہ کا اکٹھا ہوکر رب کے حضور الحاح، گریہ وزاری اور صف بستہ ہوکر دعائیں مانگنا اپنی جماعتی قابل رشک زندگی کا بین ثبوت پیش کرنا ہے۔

خصوصاً جب ہم یہ دیکھتے ہیں منفرد کی صلاۃ کے بمقابل جماعت کی صلاۃ کو ستائیس درجہ افضل قرار دیا گیا ہے۔[صحیح بخاری: 646]

(4) صوم جماعتی شعور وجذبات کا حسین مظہر:

روزہ اسلامی وحدت ویکجہتی کا حسین مظہر ہے۔ جو صرف اللہ کے لیے انجام دیا جاتا ہے، بغیر کسی ظاہری دکھاوے کے یہ اللہ اور اس کے بندوں کے مابین سرنہاں ہے۔ ہر مسلمان خواہ امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا مزدور، ایک ہی وقت میں بھوکے و پیاسے رہتے اور افطار کرتے ہیں۔ نفس کو قابو میں رکھ کر ایک خوشحال پورے سال مفلوک الحال افراد کے دکھ کو سمجھنے کی صلاحیت عطا کرتا ہے۔ ایک ساتھ دسترخوان پر افطار کر کے محبت، بھائی چارہ اور اتحاد کی لڑی میں پروئے ہوئے ایک جسم کے مانند وحدت ویکجہتی کا حسین منظر پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ماہ رمضان میں ہر کوئی زبان، دل، آنکھ، کان، ہاتھ، پاوں، بطن اور دیگر اعضاء کو بحالت صوم محض رضائے الٰہی کی خاطر پیہم ایک ماہ باز رکھ کر اپنے اندر تقوی کی خو پیدا کرنے کی کوشش کرتا، نفس کو کچلتا اور ہر طرح کے شرور وفتن اور شیطانی وساوس سے نجات حاصل کرنے کی سعی مسعود کرتا ہے۔

(5) نظام عشر وزکاۃ:

زکاۃ کا نظام اسلام معاشرتی انصاف، غرباء پروری، ہمدردی، دولت کی منصفانہ تقسیم اور روح کی پاکیزگی کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ صرف مالی عبادت ہی نہیں ہے بلکہ ایک مکمل سماجی، معاشی اور اخلاقی نظام ہے۔ جس کے تحت معاشرتی انصاف کے طور پر

دولت مندوں سے غریبوں کی طرف دولت کی منتقلی ہوتی ہے۔ امیر اور غریب کے درمیان خلیج کم اور نفرت وحسد کی جگہ محبت اور بھائی چارہ پیدا ہوتا ہے۔ بخل، لالچ خودغرضی کا خاتمہ ہوتا ہے مشکوک وحرام آمدنی کے خاتمے سے پاکیزگی اور برکت نازل ہوتی ہے بے روزگاری، جرائم، قرضوں کا بوجھ کم ہوتا ہے، ایثار، قناعت اور اللہ پر توکل کا احساس ہوتا ہے۔ بالآخر امت ایک جسم کے مانند ہوکر خوشگوار، پرسکون معاشرہ کی تشکیل میں کامیاب ہوتی ہے جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی، خیر سگالی اور عمر بن العزیز کے عہد زریں کی مثال قائم کرتی ہے۔

لہٰذا زکوٰۃ کے سسٹم کو بیت المال کا قیام کر کے منظم کرنے کی ضرورت ہے جیسا کہ خیر القرون میں تھا کیونکہ اللہ نے بے شمار مقام پر صلاۃ کے ساتھ زکاۃ کو ذکر کیا ہے اور **"وارکعوا مع الراکعین"** کہہ کر جس طرح نماز کے لئے جماعت کو ضروری قرار دیا ہے اسی طرح عشر وزکاۃ کے لیے منظم انداز میں اجتماعی بیت المال کا قیام بھی ضروری ہے تاکہ مستحقین تک صحیح انداز میں پہنچ کر نظام زکوٰۃ کی ہمہ گیر افادیت کو عام کیا جا سکے۔

(7) حج مسلمانوں کا سالانہ بین الاقوامی اجتماع:

احرام کے لباس میں ملبوس ہوکر پورے اکناف عالم سے رنگ ونسل، وطن وقوم، مسلک ومکتب فکر کی تفریق کے بغیر پیروجواں، امیر وغریب، مرد وزن سب حاضر ہوتے ہیں ایک ساتھ، ایک جگہ، ایک مقصد کے تحت توحید کے کلمات کا زبان پر ورد کرتے ہوئے تمام مسلمانان عالم ایک امت، ایک جسم اور عمارت کی طرح اقوام عالم کے سامنے قابل رشک تصویر پیش کرتے ہیں جو واضح لفظوں میں یہ اعلان ہوتا ہے کہ اگر ہم رب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر باہمی اختلاف، لڑائی جھگڑے، گالی گلوج، مباشرت وغیرہ تمام تر پابندیوں پر پورا اتر کر شکم مادر سے نکلے ہوئے معصوم بچہ کے مانند خود کو گناہوں سے پاک ہونے کی امید رکھتے ہیں ویسے وہاں سے آنے کے بعد اس نعمت کو سنبھالتے ہوئے جملہ فرائض و واجبات پر کاربند رہیں گے، ہر ممنوع عمل سے دور رہنے کا عزم مصمم اور ہر طرح کی اخلاقی برائیوں سے دور رہتے جماعتی زندگی گزاریں گے۔

(6) جہاد فی سبیل اللہ:

قوموں کے درمیان قیام عدل اور طاقت کا توازن برقرار رکھنے کے لیے اسلام نے شرعی حاکم کے سایہ تلے جہاد کو مشروع قرار دیا ہے جو تشدد ودہشت گردی کے بدنام اصطلاح کے بجائے اصلاح وتعمیر اور فروغ امن وشانتی کی ایک مہم ہے تاکہ طاقت ور کمزور کو لقمہ نہ بنائے، ہر قوم کو اپنا تحفظ اور دفاع کا حق حاصل ہو، میدان کارزار کی صف بندی، عزم وحوصلہ، ثابت قدمی بے مثال رہتی ہے تمام طبقات کے مسلمان باہم مل کر پوری تیاری سے ایک جھنڈے تلے وحدت ویکجہتی کا حسین مظہر پیش کرتے ہیں جس میں اسلام کے جنگی اخلاقی نظام کو بروئے کار لاتے ہوئے ضعیفوں، کمزوروں، عورتوں، بوڑھوں، مذہبی طبقات جن کا جنگوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا ان سے تعرض کرنے سے گریز کیا جاتا ہے اور پوری امت ایک جسم کے مانند بن کر حاکم کے حکم پر جام شہادت نوش کرنے کے لیے بے تاب رہتی ہے۔

(7) سفر میں امیر کی ضرورت پر زور:

اسلام سفر کی عارضی حالت میں بھی یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا گروہ بھی غیر منظم اور منتشر

رہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ سفر جہاں پر اجنبی جگہوں میں جملہ امور کو رائے مشورے کے ساتھ بحسن وخوبی انجام تک پہنچانے کی حاجت درپیش ہوتی ہے چنانچہ باہمی تعاون کے لیے شریعت نے امیر کے انتخاب کو لازم قرار دیا لہٰذا جب مختصر وقت کے لئے امیر کا انتخاب ناگزیر ہے تو معاشرے کو انتشار وانارکی سے بچانے کے لیے امارت واجتماعیت کس قدر لازمی ہوگی رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إذا كان ثلاثةٌ في سَفَرٍ، فليُؤمِّروا أَحَدَهم".

''جب تین افراد سفر میں ہوں یا اس سے زیادہ تو چاہیے کہ ایک کو اپنا امیر بنالیں''۔[صحیح سنن أبی داود:2609]

(8) خانگی ومعاشرتی زندگی کو جماعتی شعور سے ہمرنگ بنانا:

خانگی زندگی اجتماعیت کی وہ بنیادی اکائی ہے جس سے نسل ،خاندان،شعوب وقبائل ،معاشرہ اور امت کی تشکیل ہوتی ہے جس میں مرد وعورت کی حیثیت ایک راعی وچرواہے کی ہے جن کے جلو میں زیر تربیت اولاد جماعتی زندگی کے شعور سے آشنا ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے زن وشو کو زوج یعنی جوڑے سے تعبیر کر کے اس رشتہ کو باعث سکون واطمینان اور اپنی نشانی قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمِنْ ءَايَـٰتِهِۦٓ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَٰجًا لِّتَسْكُنُوٓا۟ إِلَيْهَا﴾[الروم:۲۱]

''اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہیں سے بیویاں پیدا کیں،تاکہ تم ان کی طرف جاکر آرام پاؤ''۔

اسی طرح معاشرے کا اٹوٹ حصہ اور بنیادی رکن والدین کے ساتھ حسن سلوک کو افضل عمل قرار دیا۔[صحیح البخاری:527] گو وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں لیکن انسانی بنیادوں پر ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا لازم ہے۔(سورۃ لقمان:15)

ایسے ہی دیگر رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کو رزق وعمر میں اضافے کا سبب اور اسے کاٹنے کو دخول جنت سے محرومی کا باعث قرار دیا ہے۔

اور چونکہ باہم مل جل کر چین وسکون کے ساتھ بود وباش اختیار کرنا انسان کی جبلت میں داخل اور اس کی مجبوری بھی ہے چنانچہ ابن خلدون لکھتے ہیں:''کہ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے، وہ لوگوں سے کٹ کر نہیں رہ سکتا ہے اپنے ہمزادوں کے بغیر زندگی بسر کرنا اس کے لئے ناممکن ہے کیونکہ طبعی طور پر اپنی زندگی کی تمام ترضروریات کی تکمیل میں وہ از خود عاجز وقاصر اور دوسروں کا محتاج ہے''۔[المقدمۃ لابن خلدون،ص204]

اس کے علاوہ معاشرہ محبت وخیرسگالی،فرقہ وارانہ ہم آہنگی، اختلافات وعداوتوں کو کافور کر کے باہم شیر وشکر رہے نرم خوئی ورحم دلی،تراحم وتلاحم ،ایثار ووفاء،حسن ضیافت وتکریم، جود وسخا، بیکسوں، بیواوں،فقراء وایتام ،اسیروں کا سہارا بنے کسی کا مذاق وٹھٹھا اڑانے سے گریز کرے،تکبر وتمرد اور بغاوت وسرکشی سے کوسوں دور رہے،غیبت،چغل خوری،تجسس، ہمز ولمز، دھوکہ دھڑی اور سودی لین دین کی تمام جدید وقدیم شکلوں سے اجتناب کرے، ملاوٹ، غبن، کذب ونفاق، دجل وفریب، تدلیس وتوریہ سے بچے اس کی سخت تاکید آئی ہے تب کہیں جاکر ایک پرامن معاشرہ کا قیام ہوسکے گا جس میں رب کی منشاء کے مطابق جماعتی زندگی گزاری جاسکے گی۔

جماعتی زندگی کے تقاضے:

جماعتی زندگی جو عقل ونقل،فطرت،اسلاف امت کے آثار

اورانسانی تجربات کی رو سے انتہائی ناگزیر ہے اس سے علاحدگی موت کے مترادف ہے لہٰذا اسے کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لیے افراد و جماعات دونوں پر اس کے کچھ تقاضے ہیں:

(1) اتحاد اور اتفاق:

اطاعت شعاری اور تواضع و خاکساری یہ اتحاد کے لئے بہت ضروری ہے چنانچہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی عقیدت و محبت تمام تر محبتوں اور عقیدتوں پر مقدم ہوتی ہے تو جذبہ اطاعتِ وانقیاد کے ذریعہ جماعت کی شیرازہ بندی کوتقویت بہم پہنچتی ہے افراد وقبائل میں اختلافات کوختم کر کے ایک مشترکہ ہدف کی طرف کام کرنے کی راہ ہموار ہوتی ہے۔ انسان معروف کاموں میں حاکم وقت اور علماء حق کی پیروی کرتا ہے اور مشکلات پر صبر جمیل کر کے انتشار کوختم کرتا ہے فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾

''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تنازعہ سے بچو ورنہ ناکامی وشکست مقدر ہوگی تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی لہٰذا صبر کریں اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''۔[الانفال:۴۶]

(2) تعاون اور باہمی مدد:

ایک دوسرے کی مدد کرنا، غریبوں، بے کسوں اور بے سہارا لوگوں کی امداد، بیماروں کی تیمارداری اور مشترکہ کاموں میں حصہ لینا۔ کیونکہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے بھائی اور ایک جسم کے مانند ہیں۔

(3) عدل وانصاف:

جماعت میں قوی وضعیف ہر ایک کو اس کے جائز حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ کسی قسم کے امتیاز کو خاطر میں نہیں لایا جاتا ہے، تمام طرح کی عصبیتوں کو بالائے طاق رکھ فیصلے عدل کی بنیاد پر ہوتے ہیں تو محکوم کے دلوں میں حاکم کے تئیں اعتماد بحال ہوتا ،ظالم کیفر کردار تک پہنچنے کی وجہ سے انجام سے خائف ہوتا ہے بالآخر ہر طبقہ چین وسکون سے رہتا اور پرامن بقاے باہم کی سچی تصویر سامنے آتی ہے۔

(4) ذمہ داری اور وفاداری:

جب قوانین کی بالادستی قائم ہوتی ہے، ہر شخص احساس ذمہ داری کی دولت سے مالا مال ہوتا ہے، جوابدہی کا خوف اور روز قیامت باز پرسی کا احساس سینوں میں موجزن ہوتا ہے تو جماعتی مفاد ذاتی مفاد پر مقدم ہوتی ہے لوگوں کے یہاں اجتماعی شعور اس قدر بیدار ہوتا ہے کہ ہر سو وفاداری کے پھول کھلتے نظر آتے ہیں بدگمانیوں کے بادل چھٹتے اور جماعت کے قوانین اور رہنماؤں کی اطاعت بطیب خاطر انجام پاتی ہے، کیونکہ اسلام میں جماعتی زندگی کا تقاضا ہے کہ افراد اپنے گروہ کی بھلائی کو ذاتی مفاد پر ترجیح دیں۔

(5) اخلاقی اور روحانی تربیت:

نماز، روزہ، زکاۃ، حج اور دیگر عبادات ومعاملات کو جماعتی سطح پر انجام دینا، تاکہ افراد کی روحانی نشوونما ہو اور جماعت مضبوط رہے۔

یہ تقاضے نہ صرف اسلامی جماعتوں بلکہ کسی بھی اجتماعی زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ اگر ان پر عمل کیا جائے تو جماعتی زندگی خوشحال اور کامیاب ہوسکتی ہے۔

فکر ونظر

اسلاموفوبیا: مفہوم، مظاہر اور حکمتِ عملی

● شیخ شعبان بیدار صفاوی (استاذ مرکز الامام البخاری تلولی)

ابتدائی کلمات:

فوبیا دراصل ایک نفسیاتی مسئلہ ہے آپ نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہوگا کہ دو لفظ بولنے کے تصور سے ہی ان کا گلا سوکھ جاتا ہے، بدن سے پسینے چھوٹ جاتے ہیں۔ کچھ لوگوں کو اندھیرے سے مسئلہ ہوتا ہے اندھیرا ہوتے ہی انہیں کوئی انجانا خوف دبوچ ڈالتا ہے کسی کو خالی جگہوں سے ڈر محسوس ہوتا ہے کسی کو بھیڑ سے گفتگو میں مشکل پیش آتی ہے تو کسی کو پانی سے خوف آتا ہے۔

اس تناظر میں اسلاموفوبیا کا مفہوم یہ ہے کہ خارجی اور داخلی اسباب کی بنا پر کچھ لوگوں کی ذہنی کیفیت اس درجہ غیر معمولی ہوجائے کہ انہیں اسلام سے فوب محسوس ہونے لگے ان کی صبحوں میں گھوڑوں کی ٹاپ سنائی دے، اور سرخیِ شفق لذتِ نگاہ کے بجائے قتل وخون کے مناظر میں تبدیل ہوجائے اور راتوں میں تصورِ شب خون کی بجلیاں کوندکوند کر آنکھوں سے نیند غائب کردیں۔

اسلامی عقائد، اسلامی تہذیب، اسلامی تاریخ حتی کہ مسلم ناموں سے بھی ایسا وحشی جنون سر چڑھ جائے کہ وہ پاگلوں اور درندوں کی نفسیات میں جینے لگ جائیں۔

اسلاموفوبیا کے شکار اپنا خوف بہادری اور دلیری کی صورت میں ظاہر کرتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہوتی ہے کہ خوف اور نفرت کا آمیزہ ان کے اعصاب کو توڑ چکا ہوتا ہے اور اب وہ عدم برداشت کی پگڈنڈی پر گامزن ہوچکے ہوتے ہیں۔

اسلاموفوبیا کی تاریخ:

اسلاموفوبیا کی تاریخ کچھ نئی نہیں ہے اہل علم اور اصحاب فکر ودانش نے بڑی تفصیل سے اس پہلو پر بات کی ہے۔ آپ غور کیجیے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ہی یہ سلسلہ شروع ہوگیا تھا تاہم ایک علمی اصطلاح کی صورت میں یہ انیسویں اور بیسویں صدی میں پروان چڑھی، بطور خاص گیارہ ستمبر کے سازشی اور پیچیدہ حملے کے بعد سے اس رجحان میں بڑی تیزی محسوس کی گئی۔

اب تو صورت حال ایسی ہے کہ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ باقی نہیں بچا ہے جس میں اسلاموفوبیا کے مظاہر نظر نہ آتے ہوں ادب اور ثقافت میں اسلاموفوبیا کے مظاہر ملیں گے، علمی [1] اور تدریسی کتابوں میں اس کے اثرات دکھائی دیں گے۔

حتی کہ فلموں اور ڈراموں میں بھی اسلاموفوبیا کے مظاہر صاف طور سے دیکھے جاسکتے ہیں بلکہ وطن عزیز کے تناظر میں تو فلموں کو اسلام اور مسلمانوں سے متنفر کرنے کے لیے ایک بڑے ٹول کے طور پر استعمال کیا جارہا ہے۔

اسباب ووجوہات:

(1) جاہلانہ اندیشے: انسان کی فطرت ہے کہ جس چیز سے واقف نہیں ہوتا ہے اس کا دشمن ہوتا ہے اور اس کے سلسلے میں

مختلف قسم کے اندیشوں کا گرفتار ہوجاتا ہے۔رسول گرامی ﷺ نے جب کافروں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش فرمائی تو انہیں اپنی ریاست، سرداری، جاہ ومنصب سب کچھ خاک ہوتا ہوا محسوس ہونے لگا حالانکہ رسول گرامی ﷺ اپنی بڑائی قائم کرنے آئے تھے نہ لوگوں کا مقام ومرتبہ گھٹانے آئے تھے آپ کی دعوت تھی کہ انسانوں کی بڑائی کے بجائے اللہ کی بڑائی قائم ہوجائے۔لیکن اندیشے تھے کہ کافروں کو گھیرتے چلے گئے۔

(2) میڈیا میں مشہور کیا ہوا مسلمانوں کا انتہا پسند چہرہ!!

عالمی میڈیا اور مقامی میڈیا دونوں میں شعوری طور پر یہ کوشش کی جاتی ہے کہ خونریز حوادث اور مکروہ اعمال وأفعال کو اسلام اور مسلمانوں سے منسوب کیا جائے اور اس طریقے سے لوگوں کے تصور میں ایک ایسی صورت گری ہو جس کی آنکھوں سے وحشت ٹپکتی ہو، ہونٹوں سے درندگی ظہور کررہی ہو اور بالوں میں شیطنت لہرارہی ہو۔اس بھیاوہ تصویر سے اگر علم وفن کا تصور بھی کہیں سے نکل آئے تو ضرور بالضرور مکروفریب کے خیالات سے جکڑا ہوا ملے گا۔

آپ وطن عزیز کی میڈیا سے ہوتے ہوئے عالمی میڈیا تک کا جائزہ لے لیجیے تصویر اس سے مختلف نہیں ہوگی۔

(3) قرآن وسنت کے نصوص کی غلط تشریح وتعبیر!!

مقامی سطح سے ہوتے ہوئے عالمی منظرنامہ تک ایک سرسری نظر ڈالیے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ باقاعدہ ایسے لوگوں کو تیار کیا جاتا ہے جو قرآنی آیات سے چھیڑ چھاڑ کریں اور نصوص کا ایسا مفہوم لوگوں میں متعارف کرائیں جو دراصل اسلام اور قرآن کی منشاء ہی نہیں ہے۔مثلا آیات جہاد جن کا تعلق جنگی حالات، اور ملک وقوم کے دفاع سے ہے جو ہر ملک ہر قبیلے اور ہر قوم کا حق بھی ہے انہیں ایسا پیش کیا جاتا ہے گویا یہ غیر مسلمین کو مارنے کی تلقین ہے۔اسی انداز میں دیگر چیزوں کو قیاس کرلیجیے پوری دنیا میں اس پر مسلسل اسلام دشمنوں کی طرف سے بڑے سے بڑے پیمانے پر کام ہورہا ہے۔گیارہ ستمبر سے پہلے ہی کی بات ہے مراکش کے ایک ریسرچ اسکالر نے جائزہ لیا تو پایا کہ صرف دو دہائیوں میں پچیس ہزار کتابیں، فلمیں کارٹون اور ہینڈ بل اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شائع کیے گئے۔

(4) داخلی کوتاہیاں:

اسلاموبیا کے ذیلی اسباب میں کچھ ہماری اپنی کمیاں بھی ہیں بلکہ بطور جملہ معترضہ عرض کردوں کہ کچھ مسلمانوں کے اندر ہی اسلاموبیا سرایت کرچکا ہے انہیں اسلامی تہذیب اسلامی ثقافت اور اسلامی شعار سے یک گونہ نفرت ہے یا تحفظات ہیں یا پھر وہ اپنی خود ساختہ سیکولر شخصیت کے لیے ان چیزوں کو نقصان دہ سمجھتے ہیں۔مسلم اداروں میں کوئی سرکاری دباؤ نہ ہونے کے باوجود بچوں کی ٹوپی اتروانا، کرتا پائجامہ سے منع کرنا، ادارے کی مسلم یا مدرسی شناخت کو مٹانے کا عزم کرنا، پردہ اور اختلاط کی راہ میں حائل اساتذہ کو اپنے اداروں سے ہٹانا، اور ڈھکے چھپے انداز میں شعبہ جاتی تقسیم بنا کر اختلاط کو ہوا دینا اس کے لیے مختلف انداز میں کوشش کرنا یہ اسلاموفوبیا ہی کی غیر محسوس شکل ہے۔

مسلم اور غیر مخلوط اداروں میں بھی مرد اساتذہ کے سامنے چہرہ ڈھکنے پر بچیوں کو ٹارگٹ کیا جاتا ہے یہ دینی اور اسلامی شعارات سے تنفر دراصل اسلاموبیا کی وہ صورت ہے جو خود مسلمانوں کے اندر موجود ہے۔ ہماری جو کمیاں ہیں اور ہمارے داخل سے جو چیزیں اسباب کا کام کررہی ہیں ان میں ایک بھیانک چیز

خارجیت ہے عرب دنیا میں اس فکر کی پروردہ کئی تنظیمیں وجود میں آئیں جن کی تکفیری سوچ نے مسلمانوں کے اندر فساد اور دمار پیدا کیا اور عالمی سطح پر مسلمانوں کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں بگاڑ کر رکھ دیا داعش جیسی تنظیمیں دراصل اسی خانے سے تعلق رکھتی ہیں۔ بلکہ اس تکفیری سوچ میں طالبان اور حماس جیسی تنظیمیں بھی شریک ہیں اسامہ بن لادن ایمن الظواہری وغیرہ کی فکری نمائندہ ان تنظیموں نے فکری اور عملی بربادی کے سوا امت کو کچھ نہیں دیا۔

اخوانی فکر میں ایک طرف حکومت کے لیے ہر برائی روا ہے دوسری طرف جمہوریت کفر وشرک ہے اور ووٹ دینا طاغوتی نظام کو تعاون دینے کے مترادف ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ایسی فکر ان جگہوں پر ہے جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں۔

جہاد کی ایسی تشریح جو شریعت سے متصادم ہے اسی قسم کی تنظیموں کا کارنامہ ہے حالانکہ جہاد پبلک فائٹ کا نام ہرگز نہیں ہے جہاد تو ملک اور قوم کے دفاع کیلئے ہے جو امام اور حکمران کی سرپرستی میں ہوتا ہے یہ جتھوں کی وحشیانہ کارروائی کا نام ہرگز نہیں ہے۔

عورتوں کو مسجدوں سے روکنا، تین طلاق کی غیر ضروری ضد، عورتوں کی تعلیم پر غیر شرعی پابندی، لوگوں سے ان کے معیار عقل کا لحاظ کیے بغیر گفتگو کرنا، بلا علم اور بلا تیاری ٹی وی ڈیبیٹ میں شرکت کرنا، تبدیلی مذہب اور شتم رسول کے معاملے میں انفرادی طور پر قتل کی سزا کا چرچا کرنا حالانکہ یہ اصلا اداروں اور حکومتوں کا کام ہے کہ کیا کرنا چاہیے؟ یہ افراد کا عمل ہرگز نہیں ہے۔

الغرض فقہ وفہم اور انقلاب وحریت کے نام پر ان باتوں میں حکمت سے باہر ہو کر گفتگو کرنا اسلام سے تنفر اور خوف وکراہت کو جنم دیتا ہے۔

علاج اور حل:

اسباب جو بھی ہوں سوال یہ قائم ہوتا ہے کہ اسلاموفوبیا کے بڑھتے ہوئے سیلاب پر بند کیسے باندھا جائے لہٰذا اس حوالے سے کچھ معروضات پیش کی جارہی ہیں ان معروضات میں جو نکات زیر بحث آنے والے ہیں وہ دو سطحوں سے تعلق رکھتے ہیں ایک تو خود اسلاموفوبیا کو کم کرنے یا ختم کرنے سے متعلق ہیں دوسرے اس امر سے تعلق رکھتے ہیں کہ اسلاموفوبیا کے سبب مسلمانوں کو جو نقصان لاحق ہورہا ہے اس کا ازالہ کیسے ہو؟۔ درج ذیل مواد کو پڑھتے ہوئے یہ دونوں باتیں پیش نظر رہیں تاکہ مواد اور عنوان کا ربط ظاہر ہو سکے۔

(1) استقامت:

استقامت اس طور پر علاج ہے کہ سب سے پہلے عقدی اور نظری لحاظ سے ہم کو انفرادی اور اجتماعی طور پر مستحکم رہنا ہوگا اگر ہمارے اندر ہی تزلزل موجود ہوگا تو اسلاموفوب کی لہر سے جو تشویہ اور تغییر جاری ہے اور اسلام یا مسلمانوں کی جو صورت ہمیں دکھائی جارہی ہے وہ ہمیں خود اپنے عقیدہ ونظریہ کے سلسلے میں بدگمان کردے گی اس لیے سب سے پہلے یہ ضروری ہے آندھیاں ہزار اٹھیں ہمیں کھجور کے درختوں کی طرح ہر جھکڑ میں ثابت قدم رہنا ہے اور زمین پر اگی گھاس کی طرح اپنی جڑوں سے اس طرح پیوست رہنا ہے کہ آندھیاں اپنا سامنہ لے کے رہ جائیں۔

کفر کسی بھی رنگ میں ظہور کرے ہم اپنے مقصد اور نصب العین سے ہرگز غافل نہ رہیں یہ استقامت ہی دراصل ہمارے لیے تحفظ، ترقی اور علاج کا کام کرے گی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ثُمَّ جَعَلْنَٰكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ ٱلْأَمْرِ فَٱتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَ ٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝١٨ إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا۟ عَنكَ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۚ وَإِنَّ ٱلظَّٰلِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۖ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُتَّقِينَ ۝١٩ هَٰذَا بَصَٰٓئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ [الجاثیۃ:۱۸-۲۰]

’’پھر ہم نے آپ کو دین کی (ظاہر) راہ پر قائم کر دیا، سو آپ اسی پر لگے رہیں اور نادانوں کی خواہشوں کی پیروی میں نہ پڑیں (یاد رکھیں) کہ یہ لوگ ہرگز اللہ کے سامنے آپ کے کچھ کام نہیں آسکتے۔ (سمجھ لیں کہ) ظالم لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہوتے ہیں اور پرہیزگاروں کا کارساز اللہ تعالیٰ ہے یہ (قرآن) لوگوں کے لیے بصیرت کی باتیں اور ہدایت و رحمت ہے اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے‘‘۔

ان آیات میں خود رسول گرامی کو یہ ہدایت کی گئی ہے اور ان کے ذریعہ اصلا ساری امت کو ہدایت کی گئی ہے کہ دین اسلام کے جو قوانین ہیں ان پر جمے رہنا ہے اور جاہلوں کی کافرانہ خواہشات کے پیچھے لگنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

(2) رواداری اور حکیمانہ برداشت:

جذبات چاہے غصے کے ہوں یا خوشی کے دونوں انسان کو جادہ حق سے بھٹکا دیتے ہیں۔ اس لیے اپنی داعیانہ حیثیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک برتر نفسیات کے تحت مشرکانہ اور معاندانہ حالات کو ڈیل کرنا چاہیے کسی اشتعال کا شکار ہونے کے بجائے اسلام نے جو رواداری کی تعلیم دی ہے اور حکمت و بصیرت کے جو نمونے سیرت رسول میں موجود ہیں ان کا فہم پھر ان کی تطبیق پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔

اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ٱدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِٱلْحِكْمَةِ وَٱلْمَوْعِظَةِ ٱلْحَسَنَةِ ۖ وَجَٰدِلْهُم بِٱلَّتِى هِىَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِۦ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِٱلْمُهْتَدِينَ﴾ [النحل:۱۲۵]

’’اپنے رب کی راہ کی طرف لوگوں کو حکمت اور بہترین نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بہترین طریقے سے گفتگو کیجئے، یقیناً آپ کا رب اپنی راہ سے بھٹکنے والوں کو بھی بخوبی جانتا ہے اور وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی پورا واقف ہے‘‘۔

اس آیت میں دعوت کے حوالے سے حکیمانہ طرز عمل اور خوبصورت گفتگو کی تلقین کی گئی ہے۔ دراصل یہی چیزیں زندگی کے ہر میدان میں مطلوب ہیں ان کے بغیر اچھی باتیں بری ہو جاتی ہیں اور اگر یہ چیزیں پائی جائیں تو مشکلات میں بھی اپنی بات کہنی آسان ہو جاتی ہے۔

لیکن یہ چیزیں تبھی کارگر ہوں گی جب آپ عادلانہ طرز زندگی کے حامل ہوں۔ جھوٹ سے بھری اس دنیا میں سچ کے لیے آپ غیر قوموں کی بھی ضرورت بن جائیں وگرنہ جس طرح کے فساد سے ہماری گھریلو اور معاشرتی زندگی دوچار ہے وہ کسی دوسرے کو تو کیا متاثر کرتی اگر اسلام کی اپنی کشش نہ ہو تو خود مسلمان کی بے چہرگی اسلام سے لوگوں کو دور کر دے۔

اللہ کا ارشاد ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُونُوا۟ قَوَّٰمِينَ بِٱلْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ ٱلْوَٰلِدَيْنِ وَٱلْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَٱللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا۟ ٱلْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُوا۟ ۚ وَإِن تَلْوُۥٓا۟ أَوْ تُعْرِضُوا۟ فَإِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ [النساء:۱۳۵]

’’اے ایمان والو! عدل وانصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی مولا کے لئے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ، گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتہ دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے، اس لئے تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے‘‘۔

اس آیت میں نہ صرف عادلانہ زندگی کی رہنمائی کی گئی ہے بلکہ جذباتی لحاظ سے مشکل حالات میں بھی عدل کی روش نہ چھوڑنے کی تلقین ہے موجودہ منظر نامہ میں ایسے بہت سے مواقع آتے ہیں جب حالات ایک پوری قوم سے ٹکرا جانے کے بن جاتے ہیں لیکن عادلانہ روش ہمیں سمجھاتی ہے کہ مسئلے کی نوعیت جب انفرادی ہے تو اسے اجتماعی حیثیت نہ ملنے دی جائے۔

(3) گفتگو:

گفتگو اور مکالمہ کسی بھی مسئلے کے حل کی پہلی کڑی ہے اس گفتگو کا دائرہ دور دور تک پھیلا ہوا ہے یہ میڈیائی طریق کار پر مبنی ہو، یا وفود کی صورت میں ہو، کوئی نیریٹیو اور بیانیہ مرتب کرنے سے تعلق رکھتا ہو، یا ابو طالب سی شخصیات تلاش کر اپنی آواز قوی کرنا ہو، ہر جگہ یہ گفتگو بہت کام کرتی ہے۔لہٰذا ہمارے لوگوں کو بولنے کا سلیقہ اور ڈھنگ ضرور ہونا چاہیے۔اگر آزادی کے بعد سے اب تک بہ استثناء چند اپنے رہنماؤں کی گفتگو دیکھتے ہیں تو مقامی معیار پر بھی پوری نہیں اترتیں چہ جائیکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر انہیں جانچا اور پرکھا جاسکے۔

اس گفتگو کے دائرے میں وہ مشترکات بھی پیش نظر رکھنے چاہئے جن میں ہمارا اختلاف نہیں ہے۔معبود اور عبادت میں اختلاف ہے لیکن بہت ساری اخلاقیات اور تہذیبی یا تمدنی چیزوں میں ہماری معاصر قوم کے خیالات ہماری طرح ہیں، متاثر ذہن کے بجائے مؤثر انداز میں ہم مشترکات کو لے کر لوگوں کے دل ودماغ نارملائز کرنے کی محنت کریں تو کامیاب ہو سکتے ہیں۔

(4) تحفظ کی پالیسی:

مقامی تناظر میں دیکھا جائے تو یہ نظر آتا ہے کہ اسلاموفوبیا کی بنا پر ہمارے لیے بقا کا مسئلہ بھی پیدا ہوگیا ہے۔لہٰذا جہاں ترقی کی پالیسیوں پر کام ہو رہا ہے وہیں تحفظ کے نقطہ نظر سے بھی ہمارا کام جاری رہنا چاہیے۔

قومی ذہن رکھنے والے حکیم اور سنجیدہ وکلاء کی ٹیم ہونی چاہیے، تربیت یافتہ مکالمہ نویس ہونے چاہئیں، ہمارے اپنے میڈیا پرسن کی ضرورت ہے حضرت جعفر طیار کی خوبصورت گفتگو سے حبشہ میں حالات جس انداز سے یکا یک مختلف ہوگئے وہ ہمارے علم ومطالعہ کا حصہ ہے۔ہمارے پاس منصوبہ بندی کرنے والے افراد کار بھی ہوں کہ غزوہ خیبر کے اعصاب شکن ماحول میں سلمان فارسی کا ’’خندق منصوبہ‘‘ توکل علی اللہ کے لیے ایک شاہراہ بن کر سامنے آیا، ہمارے یہاں ایسے سنجیدہ اور باشعور لوگ ہوں جو ملّی حکمت عملی کے پہلوؤں پر فکر وتدبر کرسکتے ہوں اور عملی اقدامات کے بارے میں سوچ سکتے ہوں۔

ہر لحظہ یہ شعور بیدار رکھنا ہے کہ ہم کسی کے لئے نرم چارہ نہ بن جائیں ہماری سخت جانی ہی تحفظ کی حکمت عملی کو کامیاب کرسکتی ہے۔

(5) تصادم اور بزدلی سے گریز:

مقامی جگہ دیکھا جائے تو تصادم ہرگز مفید نہیں ہے اس لیے

تصادم سے گریز کی ہر صورت اختیار کرنی ضروری ہے تصادم سے گریز کوئی بزدلی نہیں ہے یہ دراصل رسول مدنی ﷺ کی حکیمانہ پالیسیوں کا ایک حصہ ہے۔ رسول گرامی نے ہمیشہ تصادم سے گریز کیا اور ہمیشہ چوکنا رہے بدر واحد ہو یا اُحزاب اور اس سے بھی پہلے مکی زندگی کا پورا نقشہ دیکھیے رسول گرامی نے ہمیشہ دعوت کی راہ اختیار فرمائی حتی کہ حدیبیہ میں اپنی تمام تر عقیدتوں اور محبتوں کو سمیٹ لیا اور مشرکین کی شرطوں کو فاتحانہ احساسات کے تحت منظور فرمالیا تاکہ تصادم کی قوتوں کو دعوت میں صرف کیا جاسکے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول گرامی کی بعثت رحمت کے لیے تھی جنگوں کے لیے نہیں، آپ آئے ہی تھے ایک پیغام پہنچانے، آپ انسانوں کو باہم لڑانے نہیں آئے تھے۔ لیکن جب ضرورت پڑی تو پیچھے نہیں ہٹے کیوں کہ آپ نے تصادم سے گریز کا راستہ بزدلی کی بنا پر نہیں اصولوں کی بنا پر اختیار کیا تھا کیونکہ بزدلی میں کئے گئے فیصلے بلندی پر نہیں لے جاسکتے۔

(6) تدافع کی حکمت عملی:

جس وقت ہم تصادم سے گریز کر رہے ہیں اسی گھڑی تدافع کی پالیسی پر بھی کام کرتے رہیں یعنی ایسے لوگ جن کا اور ہمارا مفاد یکساں ہو ان کے ذریعہ معاند کو پسپا کرنا یا ایسے لوگوں کو تلاشنا جو معاند کے ستائے ہوئے ہوں یا معاند سے برسرِ پیکار ہوں اور ان سے اس طرح راہ و رسم رکھنا کہ وہ اپنا کام درست طریقے سے انجام دے سکیں ظاہر ہے یہ ایک خیال اور نظریہ ہے اس کی تطبیق کچھ مشکل بھی ہوسکتی ہے مگر ناممکن نہیں ہے۔

اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ [الحج: ۴۰]

''اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو آپس میں ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو عبادت خانے اور گرجے اور مسجدیں اور یہودیوں کے معبد اور وہ مسجدیں بھی ڈھادی جاتیں جہاں اللہ کا نام بہ کثرت لیا جاتا ہے۔ جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ بھی ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑی قوتوں والا بڑے غلبے والا ہے''۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک سنت کا بیان کیا ہے جس میں یہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو لوگوں کے ذریعہ ظالمانہ روش سے دور کرتا ہے۔ اللہ کی یہ سنت ہمارے بارے میں بھی مفید ہوگی جب ہم اس سنت کے موافق اعمال انجام دینے کی راہ پر لگے ہوئے ہوں۔

(7) اعتماد اور حوصلہ مندی:

ڈری ہوئی قوموں کی نفسیات بے حد کمزور ہوتی ہے ہمارے اردگرد اسلاموفوبیا کے جو مظاہرے آئے دن رونما ہو رہے ہیں ان کی بنا پر ایک عجیب وغریب خوف دلوں میں بیٹھ چکا ہے اس لیے الحذر رکھنے کے علاوہ قوم کے دل سے ڈر نکالنے کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ خوف سامنے پڑی چیز کو بھی غائب کردیتا ہے اور ہوا کی سرسراہٹ میں بھی اژدہا گزرتا ہوا محسوس ہوتا ہے اس لیے نفسیاتی صحت اور اعتماد وتوکل کے راستے سے اپنے لیے اندرون ملک ہی حبشہ تلاش کرنا چاہیے یہ حبشہ جگہ اور مکان کا حبشہ نہیں ہوگا یہ دلوں کا حبشہ ہوگا، یہ فکر وعمل کا حبشہ ہوگا یہ قانون کی کوکھ سے نکلا ہوا حبشہ ہوگا یہ حبشہ یقیناً سہل نہیں ہے مگر یہی راہ ہے، چلنا ہی پڑے گا۔

اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ذَٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِۦ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۚ وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا﴾

''یہی ہے وہ جس کی نصیحت اسے کی جاتی ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے چھٹکارے کی شکل نکال دیتا ہے''۔[الطلاق:۲]

(8) مواقع اور فرصتوں کا استعمال:

نفرت کی آندھی جب تیز ہوتی ہے تو مقابل میں انسان کو سنبھلنے کا بھی جلد موقع نہیں ملتا ہے وطن کی آزادی کے بعد سے ہی اپنا بہت کچھ کھونے والا مسلمان رہ رہ کے آنے والی آندھیوں کا شکار رہا ہے بیچ بیچ میں اسے فرصت ملی اور مواقع بھی دستیاب ہوئے لیکن جس طرح ان مواقع سے مستفید ہونا تھا مسلمان مستفید نہیں ہو سکے۔نفسیات کچھ ایسی رہی کہ جب آندھی آتی ایسا لگتا کہ ابھی دروازے ٹوٹ جائیں گے، کھڑکیاں اکھڑ جائیں گی، اور بدن کا لباس ہواؤں کی نذر ہو جائے گا تو سویا ہوا مسلمان چہرے سے چادر ہٹاتا اور حیران دیکھتا یہ کیا ہو رہا ہے؟ جب تک وہ اٹھتا، ہوا کا زور کم ہونے لگتا، فضا میں آندھیوں کا شور تھمنے لگتا، اور پھر چادر چہرے پر ڈال کر خراٹے لینے لگتا کہ بلا چلی گئی۔اب تو یہ صورت حال بھی رخصت ہوگئی ہے اب تو ہر لمحہ برق و باد کی نذر ہے ہر دن ایک نیا طوفان اور ہر لمحہ ایک نئی افتاد آن پڑی ہے تاہم اہل ایمان کا طریقہ یہ ہے کہ فکر و عمل سے ہار نہیں مانتے۔

سیرت رسول کو پیش نگاہ رکھیے جب حدیبیہ میں روکے گئے تھے تو مردان جنگی کی تعداد پندرہ سو کے آس پاس تھی مگر جب معاہدہ کے نتیجے میں دو سال کی فرصت مل گئی اور دعوت و تبلیغ کی محنت کی گئی تو مکہ کی طرف دس ہزار کا لشکر کوچ کر رہا تھا اور اپنے حلیف قبیلے کی مدد کیلئے تیار تھا۔قومیں اسی طرح بنتی ہیں وہ فرصت کے اوقات کو غنیمت جان کر ان کا درست استعمال کرتی ہیں۔

(9) عقیدہ و عمل کا استحکام:

اسی صلح حدیبیہ سے ایک اور بات سمجھ میں آتی ہے کہ اسلامو فوبیا کے ماحول میں حالات کتنے ہی دگرگوں کیوں نہ ہوں دعوت کا کام رکنا نہیں چاہیے کیونکہ جب تک دعوت کا عمل جاری ہے ہمارے ساتھ خیریت کا وعدہ بھی ہم رکاب ہے اور یہ دعوت جس طرح غیروں میں ہو اپنوں کے اندر بھی تزکیہ اور تطہیر کا عمل پورے شباب پر ہو اس طرح مسلمان مؤثر ہوگا متاثر نہیں ہوگا۔ توحید کی انا اس قدر دلوں میں روشن ہو اور پیشانیوں میں سجدے کا فخر ایسا جلوہ ریز ہو، چہرے پر عقیدہ و عمل کی برتری کا نور اس طرح جلوہ فگن ہو کہ مسلمان سے ارتداد اور انحراف کا جو خطرہ ہر لحظہ بڑھتا جا رہا ہے معدومیت کی راہ پر لگ جائے۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب مسلمانوں اور کافروں کا میل جول بڑھا تو یہی چیز اہل اسلام کیلئے نعمت ثابت ہوئی انہیں کوئی مٹھائی کھانے کی ضرورت پڑی نہ پرساد، وہ کردار و عمل میں اتنے کھرے تھے کہ دنیا کو اللہ کے رنگ میں رنگتے گئے۔اپنے عقیدہ اور اپنی تہذیب میں اتنے مستحکم تھے کہ ایک دنیا کو متاثر کرتے چلے گئے۔

صلح حدیبیہ میں شرط یہ تھی کہ اگر مسلمان کافر ہو کر مکہ آجائے تو ہم واپس نہیں کرینگے لیکن اگر ہمارا کوئی آدمی مسلمان ہو کر مدینہ چلا جائے تو مسلمانوں پر اسے واپس کرنا لازم ہوگا۔ یہ بظاہر مشکل ترین شق بھی رسول گرامی نے بڑی سہولت سے قبول فرمالی کیوں کہ نفرت کے پورے دورانیہ میں رسول اللہ اور آپ کے

صحابہ نے ایمان وعقیدہ کی ایسی محنت کی تھی کہ یہ خدشہ ہی باقی نہیں رہ گیا تھا۔

(10) قرآن وسنت اور سیرت رسول کو مشعل راہ بنائیں:

حالات کیسے بھی نازک ہوں ہمارا اعتماد اور رشتہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت سے استوار رہنا چاہیے وہی ہمارے لیے رہنما ہے۔ توحید و رسالت کے نور سے حقیقی معنوں میں مستنیر اگر ہوتے رہیں تو نفرت کی جٹاؤں سے پنپنے والا بھیانک جادوئی منظر از خود اپنے حواس کھودے گا۔

ہمیں کتاب اللہ کے ایک ایک حرف پر سورج کی طرح یقین ہونا چاہیے۔

﴿الٓرۚ كِتَٰبٌ أُحۡكِمَتۡ ءَايَٰتُهُۥ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِن لَّدُنۡ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ [ھود:۱] ''الرا، یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں، پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے''۔

﴿هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوۡعِظَةٌ لِّلۡمُتَّقِينَ﴾ ''عام لوگوں کیلئے تو یہ (قرآن) بیان ہے اور پرہیزگاروں کیلئے ہدایت ونصیحت ہے''۔ [آل عمران:۱۳۸]

یہ قرآن شرائع کا بیان ہے اس میں کوئی شبہ نہیں۔ راہ آخرت کی ہدایت اس سے ملتی ہے لاریب، کہ یہی اصل ہے۔ لیکن جب کشتی حیات ہچکولے کھا رہی ہو، تو نجات کی لہر بھی یہی کتاب ہے، فکر کی دنیا میں دھند طاری ہو تو شفاف فضا کا سامان بھی یہی قرآن ہے۔ تاریکیوں نے پورا وجود ہی عدم کی راہ پر ڈال دیا تو روشنی کا مینار اور اپنے آپ کی دریافت یہی صحیفہ ہدایت ہے۔ اس لیے اس سے کسی بھی حال میں بے نیاز نہیں ہوا جاسکتا۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور سیرت میں بھی اس کی نظیریں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو خیر کی توفیق عنایت فرمائے۔

---

❶ اس کی ایک مثال میں موسوعات یعنی انسائیکلو پیڈیاز سے دینا چاہوں گا کہ انسائیکلو پیڈیا ایک خالص علمی اور تحقیقی چیز ہوتی ہے اس کے باوجود ایسے خالص علمی کاموں میں بھی اسلام سے نفرت اور تعصب کی کارفرمائی صاف نظر آتی ہے۔

عفیف البونی نام کے ایک محقق ہیں انہوں نے نہایت مضبوط اور علمی انداز میں کئی مغربی جامع موسوعات (انسائیکلو پیڈیاز) کا جائزہ لیا ہے تاکہ ان میں عربوں کی تصویر (تصویری پیشکش) کو سمجھا جاسکے۔ اس جائزے میں برطانوی انسائیکلو پیڈیا(Encyclopaedia Britannica)، یہودی انسائیکلو پیڈیا(Jewish Encyclopedia)، عظیم سوویت انسائیکلو پیڈیا(Great Soviet Encyclopedia)، اور فرانسیسی انسائیکلو پیڈیا شامل تھیں۔

انہوں نے پایا کہ یہ موسوعات یا تو دانستہ طور پر غفلت برتتی ہیں یا شعوری طور پر نظر انداز کرتی ہیں خصوصاً اسلام کے ظہور کے بعد عربی واسلامی وجود اور شناخت کے اُس تاریخی پہلو کو جو جزیرۂ عرب سے باہر مختلف عرب ممالک میں پھیلا ہوا ہے۔

عفیف البونی نے اس امر پر زور دیا کہ ان انسائیکلو پیڈیاز کی جانب سے اُن مسائل کو نظر انداز کیا گیا ہے جو عربوں کے لیے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں، اور یہ چیز دراصل ان کی توہین کے مترادف ہے کیونکہ یہ ان کی جدید ترقی اور بیداری کے مثبت پہلوؤں کو تسلیم نہیں کرتیں۔ اور یہ طرزِ عمل مغربی محقق کے لیے بھی نقصان دہ ہے، کیونکہ اسے ایک ایسے علمی ماخذ سے محروم رکھا جاتا ہے جو اُسے عرب قوم کی حقیقت سے روشناس کراسکے۔

البونی نے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے بارے میں کہا:

''یہ قاری یا محقق کو کوئی ایسی اہم معلومات فراہم نہیں کرتی جو اُسے قدیم اور

جدید عربوں کی ایک واضح تصویر بنانے میں مدد دے نہ تاریخ کے باب میں، نہ زمین پر اُن کے وجود کے باب میں۔

''یہودی انسائیکلو پیڈیا'' کے بارے میں عفیف البونی کا کہنا ہے کہ:

اس میں عربوں کا نام بمشکل ہی ملتا ہے بلکہ (العرب) کے عنوان سے کوئی مستقل مادہ (مضمون) موجود ہی نہیں۔

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ جب یہ انسائیکلو پیڈیا جزیرۂ عرب کے بارے میں بات کرتی ہے جو سراسر عربی موضوع ہے تو وہ خود جزیرۂ عرب کی تاریخ پر گفتگو کرنے سے پہلوتہی کرتی ہے۔

قاری کو یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ آیا وہ جزیرۂ عرب کی تاریخ پڑھ رہا ہے یا وہاں کے یہودیوں کی تاریخ۔

چنانچہ اسے نہ کوئی علمی و منہجی تاریخی ترتیب ملتی ہے، نہ کوئی منظم تاریخی تسلسل، بلکہ ایک عجیب خلط و امتزاج نظر آتا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا میں ایسا کوئی اشارہ تک نہیں ملتا کہ عربوں کی کوئی ادبی روایت ہے۔ نہ یہ ذکر ملتا ہے کہ ان کی ثقافت، اسلامی فلسفہ، یا متنوع علمی و فکری میراث موجود ہے۔ جو زبانِ عربی میں لکھی گئی ہو۔

یوں لگتا ہے جیسے عربوں کا ان تمام چیزوں سے کوئی تعلق ہی نہیں! [ماخوذ از: "صورة العرب في العقل الغربي من خلال الموسوعات العلمية الغربية"، ص21 وما بعدہا]

زیاد ابوغنیمہ نام کا ایک محقق ہے وہ دائرۃ المعارفِ برٹانیکا کی جانب سے اسلام اور عربوں کے بارے میں کی گئی تحریفات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''یہ انسائیکلو پیڈیا یہ ذکر کرتی ہے کہ محمد ﷺ نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں، اور کہ وہ انبیا میں سب سے بڑے اور آخری نبی ہیں، اور یہ کہ مسلمان محمد ﷺ کی عبادت کرتے ہیں، اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کائنات محمد ﷺ کے نور سے پیدا کی گئی ہے۔''

اسی طرح جب انسائیکلو پیڈیا نے نبی کریم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر گفتگو کی، تو یہ جھوٹا دعویٰ کیا کہ آپ ﷺ مذہبی اعتقادات کے ایک روایتی نظام پر عمل پیرا تھے۔

اور اس گمراہ کن بات میں یہ اشارہ مضمر ہے کہ گویا آپ ﷺ بھی مشرکین کے ساتھ مل کر بتوں اور اصنام کی عبادت کرتے تھے۔

اسی طرح اس انسائیکلو پیڈیا میں قرآنِ کریم کے بارے میں بھی سخت توہین آمیز بات کہی گئی۔

کہا گیا کہ: ''قرآن محمد (ﷺ) کے قابلِ اعتماد اقوال پر مشتمل ہے''۔

اور اس خبیث مغالطے کے ذریعے یہ تاثر دیا گیا کہ قرآن اللہ کا نازل کردہ کلام نہیں بلکہ نبی ﷺ کی اپنی تصنیف ہے۔

یہود نے بہت پہلے ہی یہ سمجھ لیا تھا کہ علمی و ثقافتی انسائیکلو پیڈیائیں دنیا بھر کے لیے ایک معتبر ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

چنانچہ انہوں نے ان میں دراندازی اور اثراندازی کا ایک وسیع منصوبہ تیار کیا، اور درجنوں یہودیوں اور ان کے حمایتیوں کے ذریعے ان علمی مراجع پر قبضہ کر لیا، یہاں تک کہ اب کسی انسائیکلو پیڈیا کو دیکھنا مشکل ہے جس سے صہیونی فکر کی بو نہ آتی ہو۔

ڈاکٹر کامل العسلی نے روزنامہ الدستور (اردن) کو 15 مئی 1982ء کو دیے گئے ایک انٹرویو میں کہا:

''اگر کوئی شخص محض ایک تیز نظر سے بھی برطانوی انسائیکلو پیڈیا (Encyclopedia Britannica)، امریکی مایر (Mayer)، جرمن، اور فرانسیسی لاروس (Larousse) جیسی انسائیکلو پیڈیاؤں کا مطالعہ کرے، تو اسے فوراً اندازہ ہو جائے گا کہ یہ تمام انسائیکلو پیڈیائیں واضح طور پر صہیونی نقطۂ نظر کو اپناتی اور اس کا دفاع کرتی ہیں۔

یہ سب اس بات پر اصرار کرتی ہیں کہ فلسطین کو ''ارضِ اسرائیل'' کہا جائے، اور یہ دعویٰ کرتی ہیں کہ تاریخ میں اور بین الاقوامی قانون کے اعتبار سے فلسطین نامی کوئی ملک کبھی موجود ہی نہیں تھا''۔)

[ظاهرة الاسلامو فيوبيا: المفهوم، النشاة، الاسباب، الآثار، العلاج د:حانی سمير أمين جزيره]

دفاع شریعت

شرک کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہمارا مسلم معاشرہ

● ڈاکٹر فاروق عبداللہ نراین پوری (صدر تعلیمی کمیٹی واستاد جامعہ اسلامیہ نور باغ، کوسہ، ممبرا)

اللہ رب العالمین نے ہمیں ایک خاص مقصد کے لیے اس دنیا میں پیدا کیا ہے، اور بہت ہی صاف اور واضح الفاظ میں اس مقصد کو بیان کردیا ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاریات:۵٦]

''ہم نے جن وانسان کو صرف اپنی عبادت ہی کے لیے پیدا کیا ہے''۔

اسی مقصد کے لیے اللہ تعالی نے انبیا ورسل بھیجے، تمام انبیا نے اپنی قوم کو اسی توحید کی دعوت دی۔

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ [النحل:۳٦]

''اور ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا، جنھوں نے لوگوں سے کہا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے دور رہو''۔

یہ ہماری تخلیق کا اصل مقصد ہے، اگر کوئی اللہ کی عبادت نہیں کرتا، یا کرتا تو لیکن اس عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک کرتا ہے، تو وہ اس مقصد کی خلاف ورزی کر رہا ہے جس مقصد کے لیے اللہ تعالی نے اسے پیدا کیا ہے۔

ایک مسلمان کی روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اللہ تعالی نے چند کلمات کو اس طرح جوڑ دیا ہے جنھیں وہ بار بار اپنی زبان سے دہراتا ہے، دس بیس تیس چالیس بار نہیں، بلکہ تقریبا روزانہ ساڑھے تین سو سے چار سو بار۔ وہ کلمات ہیں: سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الہ الا اللہ، اور اللہ اکبر۔

چنانچہ ہر نماز سے پہلے، دوران نماز اور بعد از نماز ان کلمات کو بے شمار بار پڑھنا مشروع قرار دیا ہے۔

کیا کبھی آپ نے ان کلمات کی معنویت پر غور کیا؟

کیا اس کے پیچھے اللہ رب العالمین کا کوئی مقصد نہیں؟

یقینا اس کے پیچھے عظیم مقصد ہے، وہ یہ کہ انسان ہمیشہ اس حقیقت کے ساتھ زندگی گزارے کہ اللہ تعالی کی ذات وہ واحد ذات ہے جو ہر طرح کے عیوب سے پاک ہے، اس کے افعال ایسے ہیں کہ وہ صرف اور صرف تعریف وتوصیف کا مستحق ہے، بلکہ ہر طرح کی مطلق تعریف کا صرف وہی مستحق ہے، وہی معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، کیونکہ وہ سب سے بڑا ہے، باقی تمام چیزیں اس کے بالمقابل انتہائی حقیر، کمزور، لاچار، بے بس اور مجبور ہیں، اتنے کمزور اور بے بس کہ اپنے نفس سے موت تک کو ٹال نہیں سکتے۔ اسی نے سب کو پیدا کیا ہے، کسی نے اسے پیدا نہیں کیا، وہی سب کو رزق عطا کرتا ہے، جلاتا ہے، مارتا ہے، اور جو چاہے تصرف کرتا ہے۔ کوئی چاہے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو سب اس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔ یہی توحید ہے جو دنیا کی سب سے بڑی حقیقت ہے، اور اس توحید کا جزوی یا کلی

انکار شرک وکفر ہے جو دنیا کا سب بڑا ظلم ہے۔

باوجودیکہ ایک مسلمان روزانہ تین چار سو بار اپنی زبان سے ان حقائق کا اعتراف کرتا ہے لیکن جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ مسلم معاشرے کے بے شمار حضرات عملی زندگی میں قدم قدم پر ان حقائق کی دھجیاں اڑاتے رہتے ہیں۔

آج کا مسلم معاشرہ شرک کے بندھنوں میں عجیب وغریب طریقے سے جکڑا ہوا ہے، چاہے شرک اصغر ہو یا شرک اکبر، شرک خفی ہو یا شرک جلی، آخر شرک کی وہ کون سی قسم ہے جو آج کے مسلم معاشرے میں موجود نہیں۔

آیئے اب جائزہ لیتے ہیں کہ ہمارے مسلم معاشرے میں شرک کی جڑیں کہاں کہاں اور کس طرح پھیلی ہوئی ہیں۔ ذیل میں مسلم معاشرے میں پھیلے ہوئے شرک کے مختلف صورتوں کو بیان کیا جا رہا ہے تاکہ پتہ چلے کہ ہمارا مسلم معاشرہ کس طرح شرک کے برے اثرات میں گرفتار ہے، اور اس سے کیسے نجات دلائی جاسکتی ہے:

1-مزاروں اور درگاہوں میں شرک کے اثرات:

برصغیر ہندو پاک میں اگر مزاروں کی تعداد معلوم کی جائے تو شاید شمار کرنا ممکن نہ ہو۔ تقریبا ہر شہر اور ہر علاقے میں چھوٹے بڑے بے شمار مزارات موجود ہیں۔ ان مزاروں پر روزانہ بے شمار کلمہ لا الہ الا اللہ کا اقرار کرنے والے اور اپنے آپ کے مسلمان ہونے کا دعوی کرنے والے حاضری دیتے ہیں، ان میں سے بعض ان مزاروں کا طواف کرتے ہیں، ان پر چڑھاوے چڑھاتے ہیں، نذر ونیاز کرتے ہیں، یہاں تک کہ سجدے بھی کرتے ہیں، جس طرح نماز میں خشوع وخضوع کے ساتھ اللہ کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا ہے اس سے بھی زیادہ عاجزی وانکساری کے ساتھ ان قبروں کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے ہیں، صاحب قبر سے اولاد طلب کرتے ہیں، رزق طلب کرتے ہیں، بیماری سے شفا طلب کرتے ہیں۔ اور انھیں خوش کرنے کے لیے جانوروں کی بلی بھی دیتے ہیں۔ یہ تمام اعمال شرکیہ اعمال ہیں، کیونکہ ان سب کا تعلق عبادات سے ہے، اور کوئی بھی عبادت اللہ تعالی کے علاوہ کسی دوسرے کے لیے انجام دی جائے وہ شرک ہے۔

اپنی قبروں میں مدفون یہ مردے خود اس بات کے محتاج ہیں کہ ان کے لیے اللہ تعالی سے دعا کی جائے کہ اللہ تعالی انھیں عذاب قبر سے محفوظ رکھے، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بقیع الغرقد میں ایک مردے کو دفن کیا اور صحابہ کرام سے فرمایا:

"استغفروا لأخيكم وسلوا له بالتثبيت: فإنه الآن يسأل". [سنن أبي داود:127/5، حدیث نمبر:3221]

''تم لوگ اپنے بھائی کے لیے اللہ تعالی سے مغفرت کی دعا کرو، اور اللہ سے اس کی ثابت قدمی کی دعا کرو، ابھی اس سے سوال کیا جائے گا''۔

غور کریں کہ یہاں اللہ کے رسول ایک صحابی کے بارے میں لوگوں کو حکم دے رہے ہیں کہ تم ان کے لیے اللہ تعالی سے مغفرت کی دعا کرو کہ اللہ تعالی انھیں بخش دے۔ خود اللہ کے رسول بقیع الغرقد تشریف لے جاتے اور صحابہ کرام کی مغفرت کی دعا کرتے۔ کیا کوئی پیر، بزرگ، خواجہ، غریب نواز ایسا بھی ہوسکتا ہے جو صحابہ کرام سے بھی زیادہ اونچے مقام پر فائز ہو، اور اسے مغفرت

کی حاجت نہ ہو؟

ظاہر سی بات ہے کہ کوئی پیر یا بزرگ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہوجائے صحابہ کرام کے خاک پا کے برابر بھی نہیں ہوسکتا۔ پھر ایک محتاج سے محتاجگی دور کرنے کی اپیل کرنا کون سی عقل مندی ہے؟

جو اپنے نفس سے موت تک کو ٹال نہ سکے وہ دوسروں کی مصیبتیں کیسے ٹال سکتا ہے؟ **افلا تفقهون؟**

2۔انجانی طاقتوں کا خوف:

اللہ رب العالمین کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ ٱلشَّيۡطَٰنُ يُخَوِّفُ أَوۡلِيَآءَهُۥ فَلَا تَخَافُوهُمۡ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤۡمِنِينَ﴾ [آل عمران:۱۷۵]

''شیطان اپنے اولیا کو ڈراتا ہے، تم ان سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو''۔

نیز اس کا ارشاد ہے:

﴿فَلَا تَخۡشَوُاْ ٱلنَّاسَ وَٱخۡشَوۡنِ﴾ [المائدۃ:۴۴]

''تم لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو''۔

نیز اس کا ارشاد ہے:

﴿وَإِيَّٰيَ فَٱرۡهَبُونِ﴾ [البقرۃ:۴۰]

''تم صرف مجھ سے ہی ڈرو''۔

یہ تمام آیتیں اس بات کی دلیل ہیں کہ اللہ تعالی سے ڈرنا کہ وہ ہمیں نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے ایک عظیم عبادت ہے، اور اگر اسے غیر اللہ کے لیے انجام دیا جائے تو شرک ہے۔

آج اگر ہم اپنے مسلم معاشرے کا جائزہ لیں تو پائیں گے کہ بہت سارے لوگ بھوت پریت اور دیگر انجانی طاقتوں سے عجیب وغریب طریقے سے ڈرے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان انجانی طاقتوں کے قہر سے بچنے کے لیے کسی نئے گھر میں گھسنے سے قبل نیبو اور ہلدی یا دیگر اشیا لٹکائے جاتے ہیں۔ بعض لوگ گھر کے دروازے پر کوئی جانور ذبح کرتے ہیں۔

بعض دکاندار حضرات ہر نئے دن کی پہلی روٹی یا پوڑی چولہے کے حوالے کر دیتے ہیں تاکہ دن بھر آگ کی کرپا بنی رہے اور کمائی اچھی ہو۔

دن کے پہلے کسٹمر کو کسی صورت میں بغیر سامان خریدے جانے نہیں دیتے تاکہ بوہنی خراب نہ ہوجائے، اگر بوہنی خراب ہوگئی تو دن بھر برکت غائب رہے گی، اور تجارت میں نقصان ہی نقصان ہوگا، منافعہ نہیں ہوسکتا۔ گویا نفع ونقصان کا مالک اللہ رب العالمین نہیں یہ پہلا کسٹمر ہے جو دکان پر آیا ہے۔

3۔کتے، بلی، کوے، الو اور دیگر جانوروں سے بدفالی لینا:

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

''لا عدوى ولا طيرة ولا هامة ولا صَفَر''. (متفق علیہ: صحیح البخاری:5757 وصحیح مسلم:2220)

''کوئی بیماری متعدی نہیں ہوتی، بدفالی اور بدشگونی کی بھی کوئی حقیقت نہیں، نہ الو کا بولنا کوئی اثر رکھتا ہے، اور نہ ہی ماہ صفر منحوس مہینہ ہے''۔

مسلم معاشرے کے اندر یہ بیماری عام ہے کہ اگر کوئی گھر سے کسی کام کے ارادے نکلا اور اس کے آگے کتا یا بلی گزر گئی تو اس ڈر سے وہ یہ سفر روک دیتا ہے کہ اس میں کامیابی نہیں ملے گی، بلکہ یہ گھاٹے کا سودا ہوگا۔

اگر کسی کے گھر میں کوا کائیں کائیں کرنے لگا، یا اُلّو آ گیا تو

سمجھتا ہے آج کوئی مصیبت آنے والی ہے۔

اس طرح کے اندھ وشواس سے مسلم معاشرہ بری طرح جکڑا ہوا ہے۔ یہ تمام باتیں خرافات کے علاوہ کچھ نہیں، یہ شرک اصغر کے قبیل سے ہیں، لیکن اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ یہ جانور بذات خود نفع ونقصان کے مالک ہیں، اللہ تعالی نہیں، یا جس طرح اللہ تعالی نفع ونقصان کے مالک ہیں یہ بھی نفع ونقصان کے مالک ہیں تو یہ شرک اکبر کے زمرے میں داخل ہوجائے گا۔

4۔غیر اللہ سے استغاثہ (یعنی فریادرسی) کرنا:

استغاثہ کا مطلب ہے "مصیبت کے وقت کسی کو پکارنا"۔ یہ پکار اگر اللہ رب العالمین کے لیے ہو تو عظیم عبادت ہے، اور غیر اللہ کے لیے ہو تو شرک ہے۔

اس کے باوجود آج اگر مسلم معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ایک بہت بڑی تعداد اس شرک میں مبتلا ہے۔ وہ مصیبت کے وقت اللہ تعالی کو نہیں اپنے پیر بابا کو پکارتے ہیں، کسی وزنی سامان کو کئی لوگوں کی مدد سے اٹھانا ہو تو سب ایک ساتھ بلند آواز میں "یا علی" پکارتے ہیں۔ کہیں راستہ چلتے ہوئے ٹھوکر لگ جائے بے ساختہ زبان سے "**انا لله وانا اليه راجعون**" نہیں بلکہ "اُئی ماں" کی آواز نکلتی ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ شاید اپنی والدہ محترمہ کو پکار رہا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوانہ سماج میں ہندوؤں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہوئے یہ چیز ہمارے اندر غیر شعوری طور پر داخل ہوگئی ہے، وہ مصیبت کے وقت اپنی دیوی "کالی ماں" کو مدد کے لیے پکارتے ہوئے "اُئی ماں" کہتے ہیں، اور ہم بھی ان کی دیکھا دیکھی یہی لفظ دہراتے ہیں۔ اگر کوئی اپنی والدہ کو پکارے تب بھی جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی کے پاس یہ طاقت نہیں کہ بغیر کسی اسباب کے دور سے ہماری پکار سن سکے، والدہ کے پاس بھی نہیں۔ ایک اللہ تعالی کی ہی ذات ہے جو دلوں کے اندر کھٹکنے والی باتوں کو بھی جانتا ہے، اور ساتویں آسمان کے اوپر سے ہماری پھسپھساہٹ کو بھی سن لیتا ہے۔

5۔تعویذ وگنڈے لٹکانا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "**إن الرقى والتمائم والتولة شرك**". (سنن أبي داود: 3883 وصححہ الشیخ الألبانی رحمہ اللہ فی الصحیحۃ: 331)

''جھاڑ پھونک، تعویذ اور ٹوٹکے سب شرک ہیں''۔

مذکورہ بالا حدیث اس بات پر صراحت کے ساتھ دلالت کرتی ہے کہ تعویذ وگنڈا لٹکانا، کالا دھاگہ پہننا وغیرہ شرک ہیں۔

عموماً تعویذوں میں جنوں وشیطانوں یا روسائے کفر مثلاً فرعون، ہامان، نمرود، ابوجہل وغیرہ کے نام لکھے ہوتے ہیں، یا تحریف کے ساتھ قرآن کی آیتیں لکھی ہوتی ہیں۔ اور یہ عمل شرک وکفر کے زمرے میں آتا ہے۔

مسجد نبوی میں بسا اوقات دعوتی خدمات انجام دیتے ہوئے بعض زائرین سے تعویذ کھلوانے پر اسی طرح کی چیزیں ملیں۔ بلکہ بقیع الغرقد کی ہیئۃ الامر بالمعروف والنہی عن المنکر کی آفس میں اس طرح زائرین سے کھلوائے گئے تعویذوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے اور ان پر کفر وشرک کے مظاہر واضح انداز میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ حال ان لوگوں کا ہے جو دین سے جڑے ہوئے ہیں اور عبادت کی خاطر مدینہ طیبہ کی زیارت کے لیے گئے ہوئے ہیں۔ ذرا ان کے بارے میں سوچیں جو دین سے دور ہیں ان کا

کیا حال ہوگا۔

اسی طرح بعض لوگ نظر بد سے بچنے کے لیے کالا ٹیکا لگاتے ہیں، خصوصاً چھوٹے بچوں کے ماتھے پر ایسا ٹیکا لگاتے ہیں۔ بعض لوگ کڑا پہنتے ہیں۔ بعض لوگ خاص قسم کی انگوٹھی پہنتے ہیں جسے اشٹو دھاتو کی انگوٹھی کہتے ہیں، مغربی بنگال کے لوکل ٹرینوں میں ایسی انگوٹھیاں بہت زیادہ بکتی ہیں اور ان کے خریدار غیر مسلموں کے ساتھ مسلمان بھی ہوتے ہیں۔

یہ سب کے سب شرک کے مظاہر ہیں۔ اگر کوئی ان تعویذوں سے یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ ہی شفا دینے والا ہے اور یہ تعویذیں فقط شفا حاصل کرنے کے اسباب ہیں تو یہ شرک اصغر ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو شفا کا سبب نہیں بنایا ہے، نیز یہ شرک اکبر تک پہنچانے کا ذریعہ بھی ہیں، اور ہر وہ چیز جو شرک اکبر تک پہنچانے کا ذریعہ ہو وہ شرک اصغر ہے۔ البتہ بعض صورتوں میں یہ شرک اکبر بھی ہو سکتے ہیں، مثلاً کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ یہ تعویذ ہی ہمیں نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ نہیں، یا نفع ونقصان پہنچانے میں یہ اللہ تعالیٰ کے شریک ہیں تو یہ شرک اکبر ہوگا، اور ایسا عقیدہ رکھنے والا مشرک قرار پائے گا۔

6۔ شجر وحجر، بزرگ شخصیات، قبر اور دیگر اشیا سے تبرک حاصل کرنا:

ایک مسلمان کا یہ عقیدہ ہونا چاہئے کہ برکت دینے والی ذات فقط اللہ رب العالمین کی ہے، اس کے علاوہ کسی کے پاس یہ طاقت نہیں۔ اللہ رب العالمین نے ابراہیم واسحاق علیہما السلام کے متعلق فرمایا:

﴿وَبَٰرَكۡنَا عَلَيۡهِ وَعَلَىٰٓ إِسۡحَٰقَ﴾ [الصافات:۱۱۳]

''ہم نے ابراہیم اور اسحاق پر برکتیں نازل کیں''۔

عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارے میں فرمایا:

﴿وَجَعَلَنِي مُبَارَكًا﴾ [مریم:۳۱]

''اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بابرکت بنایا ہے''۔

لہٰذا کوئی بھی چیز اس وقت تک مبارک نہیں ہو سکتی جب تک کتاب وسنت کے دلائل سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے مبارک بنایا ہے۔ دلائل سے کسی چیز کے بابرکت ثابت ہو جانے کے بعد اس سے برکت کے حصول کا طریقہ بھی وہی ہونا چاہئے جو سنت رسول سے ثابت ہے۔

اگر کسی چیز کے بابرکت ہونے کی شریعت سے کوئی دلیل نہ ملے، یا طریقہ تبرک سنت سے ثابت نہ ہو تو یہ شرک کے قبیل سے ہے، کبھی یہ شرک اصغر ہو سکتا ہے اور کبھی شرک اکبر۔ اور بسا اوقات بدعت بھی۔

مثلاً: کوئی کسی درخت سے برکت حاصل کرے اور یہ عقیدہ رکھے کہ اسے چھونے سے برکت حاصل ہوتی ہے، مرادیں پوری ہوتی ہیں۔ اگر اسے صرف سبب ماننے اور اللہ تعالیٰ کو ہی مراد پوری کرنے والا جانے تو یہ شرک اصغر ہے، اور اگر یہ عقیدہ رکھے کہ اس درخت میں یہ پاور ہے کہ یہ خود ہماری مرادیں پوری کر سکتا ہے تو یہ شرک اکبر ہو جائے گا۔

ابو واقد اللیثی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَرَجَ إِلَى حُنَيْنٍ مَرَّ بِشَجَرَةٍ لِلْمُشْرِكِينَ يُقَالُ لَهَا: ذَاتُ أَنْوَاطٍ يُعَلِّقُونَ عَلَيْهَا أَسْلِحَتَهُمْ. فَقَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ،

فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سُبْحَانَ اللهِ هَذَا كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى {اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ} وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَرْكَبُنَّ سُنَّةَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ".

(سنن الترمذی:2180,وصححہ الألبانی فی تحقیق المشکاۃ:5408)

''رسول اللہ ﷺ جب حنین کی طرف نکلے تو آپ کا گزر مشرکین کے ایک ایسے درخت سے ہوا جسے ذات انواط کہا جاتا تھا، مشرکین اس میں اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: اے اللہ کے رسول آپ ہمارے لیے بھی ایک ایسا ذات انواط بنا دیں جیسا کہ ان کے پاس ہے۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ تو اسی طرح ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا تھا: جیسے مشرکین کے معبود ہیں آپ ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دیں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے یقیناً تم بھی اپنے ماقبل قوموں کے طریقوں پر چلو گے''۔

اسی طرح حجر اسود مبارک پتھر ہے، اور اس سے برکت حاصل کرنے کا طریقہ اسے چومنا ہے۔ لیکن اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ وہ نفع ونقصان کا مالک ہے تو یہ شرک اکبر ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسے بوسہ دیا تو فرمایا:

"إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لاَ تَضُرُّ وَلاَ تَنْفَعُ، وَلَوْلاَ أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُكَ مَا قَبَّلْتُكَ". (متفق علیہ: صحیح البخاری: 1597 وصحیح مسلم: 1270)

''میں جانتا ہوں کہ تم ایک پتھر ہو! نہ نفع پہنچا سکتے ہو نہ نقصان۔ اگر میں نے نبی ﷺ کو تمھیں بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو تمھیں بوسہ نہ دیتا''۔

اب ہم اپنے معاشرے کا جائزہ لیں کہ روزانہ کتنے مسلمان اس طرح کے شرکیہ اعمال کا ارتکاب کرتے ہیں۔ چنانچہ بہت سارے حضرات بزرگوں کے قبروں کی مٹی اٹھا لاتے ہیں اور اس سے برکت حاصل کرتے ہیں، بلکہ قبر کے اردگرد جو درو دیوار ہیں ان سے اپنے جسم کو مس کرتے ہیں تاکہ تبرک حاصل ہو جائے۔ بعض حضرات اپنے پیروں کے ہاتھوں کا بوسہ لیتے ہیں، ان سے مصافحہ کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں کو جسم سے ملتے ہیں، انھیں بہت زیادہ کھانا پروس دیتے ہیں تاکہ بعد میں بچے ہوئے کھانے کو وہ کھا سکیں اور اس کھانے سے برکت حاصل کر سکیں۔ بعض حضرات کسی خاص جگہ کی مٹی کو بابرکت سمجھتے ہیں مثلاً: برصغیر کے بہت سارے حضرات مدینہ طیبہ کی مٹی کو خاک شفا کہتے ہیں، اور وہاں سے اس طرح کی مٹی اٹھا لاتے ہیں اور مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔

اسی قبیل سے مزعوم مبارک ہاتھوں سے پھیتا کاٹ کر کسی گھر یا ادارے کا افتتاح کرنا ہے جس میں بہت سارے عوام کے ساتھ خواص بھی مبتلا ہیں۔

واضح رہے کہ قبروں اور دیگر اشیا سے تبرک حاصل کرنے کے متعلق سلف صالحین کے بہت سارے آثار ذکر کیے جاتے ہیں لیکن وہ سب کے سب ضعیف ہیں، کوئی بھی صحیح سند سے ثابت نہیں۔

7- غیر اللہ کی قسم کھانا:

مسلم معاشرے میں شرک کی ایک قسم جو بہت زیادہ منتشر ہے وہ غیر اللہ کی قسم کھانا ہے۔ بہت سارے حضرات بلا کسی تردد

کے ماں کی قسم کھاتے ہیں، بعض آنکھ اور سر کی تو بعض اپنے پیر ومرشد کی۔ الغرض اللہ کے علاوہ جس کسی چیز کی قسم کھانے کا ان سے مطالبہ کیا جائے وہ بلا تردد یہ قسم کھانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ بلکہ بعض تو اللہ کی جھوٹی قسم کھانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں لیکن اپنے پیر ومرشد کی نہیں، ڈرتے ہیں کہ اگر اپنے پیر کی جھوٹی قسم کھا لی تو پیر ناراض ہو سکتے ہیں اور کسی بڑی مصیبت میں مبتلا کر سکتے ہیں۔ یہ سب کے سب شرک میں داخل ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

"من حلف بغير الله فقد كفر أو أشرك".

"جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی اس نے کفر یا شرک کیا"۔

[سنن الترمذی: کتاب النذور والأیمان :1535 وسنن أبي داود: کتاب الأیمان والنذور :3251 ومسند أحمد :2/ 69، 2/ 86، 2/ 125، وصححه الألبانی فی الارواء برقم:2561]

امام ابن ابی الدنیا اور ابن عبد البر رحمہا اللہ نے اس بارے میں اجماع نقل کیا ہے کہ غیر اللہ کی قسم کھانا حرام ہے۔[تیسیر العزیز الحمید،ص:511]

8-بچوں کے نام میں غیر اللہ کی طرف عبد کی نسبت کرنا:

اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے ایک بہت بڑی نعمت اولاد کی نعمت ہے، اس نعمت کا اندازہ لگانا ہو تو ان سے پوچھیں جواب تک اس نعمت سے محروم ہیں۔ دوسری نعمتوں کی طرح اس کا سوال بھی صرف اور صرف اللہ تعالی سے کرنا چاہئے، نہ کہ غیر اللہ سے، اور نعمت کے حصول کے بعد شکریہ بھی صرف اسی کا ادا کرنا چاہئے نہ کہ کسی دوسرے کا۔

اس کی بہترین مثال ہمیں ابراہیم علیہ السلام کی سیرت میں مل سکتی ہے۔ بڑھاپے کی عمر کو پہنچنے کے بعد بھی آپ اللہ تعالی سے اولاد کا سوال کرتے رہے:

﴿رَبِّ هَبۡ لِي مِنَ ٱلصَّٰلِحِينَ﴾[صافات:۱۰۰]

"اے میرے رب مجھے نیک اولاد عطا فرما"۔

اور جب نعمت ملی تو شکریہ بھی صرف اسی رب کا ادا کیا:

﴿ٱلۡحَمۡدُ لِلَّهِ ٱلَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى ٱلۡكِبَرِ إِسۡمَٰعِيلَ وَإِسۡحَٰقَۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ ٱلدُّعَآءِ﴾[سورہ ابراہیم:۳۹]

"اس اللہ کا شکریہ جس نے مجھے بڑھاپے کی حالت میں اسماعیل واسحاق سے نوازا۔ یقینا میرا رب دعائیں سننے والا ہے"۔

لیکن مسلم معاشرے کے بہت سارے لوگ ہمیں اس موقع پر راہ راست سے بھٹکے ہوئے نظر آتے ہیں، اور اولاد کے حصول کے لیے کسی بھی شرکیہ عمل سے ہچکچاتے نہیں، چاہے باباؤں کے مزاروں کے چکر لگانا ہو، ان کے لیے نذر ونیاز کرنا ہو، یا اولاد ملنے کے بعد ماتھے پر کالا ٹیکا لگانا، کمر، گلے اور بازوؤں پر کالا دھاگہ باندھنا۔ یا اسے غیر اللہ کا بندہ اور غلام قرار دینا۔ چنانچہ مسلم معاشرے کے بہت سارے افراد اپنے بچوں کے نام میں عبدیت (بندگی وغلامی) کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرتے ہیں۔ کوئی اپنے بچے کا نام عبد النبی رکھتا ہے تو کوئی عبد الرسول، کوئی غلام مصطفی تو کوئی غلام رسول، کوئی عبد الحسین تو کوئی عبد الکعبہ وغیرہ۔ یہ تمام نام شرکیہ نام ہیں کیونکہ ان میں بندگی وغلامی کی نسبت غیر اللہ کی طرف کی گئی ہے، اور یہ صرف اللہ کا حق ہے، غیر اللہ کا نہیں۔

ہانی بن شریح رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول کے پاس

ایک جماعت آئی، آپ نے انھیں اپنے ایک ساتھی کو ”عبد الحجر“ نام سے بلاتے ہوئے سنا تو پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: عبد الحجر یعنی پتھر کا بندہ، تب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم صرف عبد اللہ یعنی اللہ کے بندے ہو۔ [مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث نمبر 26421، شیخ مقبل الوادعی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔ دیکھیں: الصحیح المسند مما لیس فی الصحیحین: 2/230]

علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اس بارے میں اتفاق نقل کیا ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی طرف عبدیت کی نسبت کرنا حرام ہے۔ فرماتے ہیں:

”وَاتَّفَقُوا على تَحْرِيم كل اسْم معبد لغير الله عز وَجل كَعبد الْعُزَّى وَعبد هُبل وَعبد عَمْرو وَعبد الْكَعْبَة وَمَا أشبه ذَلِك“. [مراتب الاجماع (ص: 154)]

”ہر وہ نام جس میں غیر اللہ کی طرف عبدیت کی نسبت کی گئی ہے جیسے عبد العزی، عبد عمرو، عبد الکعبہ اور ان جیسے دوسرے نام تو تمام علما اس کے حرام ہونے پر متفق ہیں“۔

9۔ کامیابی اور مصیبت سے نجات کی نسبت مخلوق کی طرف کرنا:

شرک کی ایک بہت ہی مخفی صورت یہ ہے کہ بندہ کسی کامیابی کی یا مصیبت سے نجات کی نسبت اللہ تعالی کی طرف نہ کر کے کسی دوسرے کی طرف کرے جس سے بہ ظاہر اسے فائدہ ہوا ہے، یا اللہ کی طرف تو کرے لیکن غیر کو اس میں اللہ کے برابر شریک کرے۔ یہ عمل کمال توحید کے منافی ہے۔ توحید کا کامل ترین درجہ یہ ہے کہ بندہ یوں کہے کہ اللہ تعالی نہ چاہتا تو مجھے کامیابی نہیں مل سکتی تھی، اللہ تعالی نہ چاہتا تو میں اس مصیبت سے بچ نہیں سکتا تھا۔ اللہ تعالی نہ چاہتا اور عین موقع پر اس کی مدد نہ پہنچتی تو مجھے ہلاک ہونے سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔

البتہ یوں کہنا جائز ہے کہ اگر اللہ تعالی اور پھر یہ ڈرائیور آج نہ ہوتے تو ہم بچ نہیں پاتے۔ اگر اللہ کی مدد شامل حال نہ ہوتی اور پھر عین موقعے پر کتا نہ بھونکتا تو ہمیں چور سے کوئی نہیں بچا سکتا تھا۔ اگر اللہ تعالی کی رحمت نہ ہوتی اور پھر اس کی توفیق سے ڈاکٹر صحیح وقت پر نہ آتے تو ہمارا مریض گزر جاتا۔ وغیرہ۔

لیکن فضل اور کامیابی کی نسبت اللہ تعالی کی طرف نہ کر کے ظاہری اسباب کی طرف کرنا شرک خفی ہے جس میں مسلم معاشرے کے بے شمار اچھے خاصے افراد گرفتار ہیں۔ کتاب وسنت پڑھنے پڑھانے والوں سے بھی ہمیں اس طرح کی باتیں سننے کو مل جاتی ہیں کہ یہ ڈرائیور آج نہ ہوتے تو ہم بچ نہیں پاتے۔ اگر عین موقعے پر کتا نہیں بھونکتا تو ہمیں چور سے کوئی بچا نہیں سکتا تھا۔ اگر ڈاکٹر صحیح وقت پر نہ آتے تو ہمارا مریض گزر جاتا۔ وغیرہ

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”الشرك، أخفى من دبيب النمل، على صفاة سوداء في ظلمة الليل، وهو أن تقول: والله وحياتك، يا فلان وحياتي، وتقول: لولا كليبة هذا لأتانا اللصوص، ولولا البط في الدار لأتى اللصوص. وقول الرجل لصاحبه: ما شاء الله وشئت. وقول الرجل: لولا الله وفلان، لا تجعل فيها فلانا، هذا كله شرك“. (رواہ ابن أبي حاتم برقم 229)

”شرک رات کے اندھیرے میں سیاہ پتھر پر چیونٹی کے

چلنے سے بھی زیادہ مخفی ہے۔ جیسے تم یہ کہو: اللہ تعالی کی اور تمھاری زندگی کی قسم، اے فلاں میری جان کی قسم، اور کہو: اگر اس کی کتیا نہ ہوتی تو ہمیں چور پکڑ لیتے، اگر گھر میں بطخ نہ ہوتی تو ہمیں چور آ لیتے۔ یا کسی کا اپنے ساتھی سے یوں کہنا: وہی ہوگا جو اللہ اور تم چاہو گے۔ اسی طرح کسی شخص کا یوں کہنا: اگر اللہ اور فلاں نہ ہوتے۔ ان تمام کاموں میں تم فلاں کو اللہ کے ساتھ نہ شریک کرو۔ یہ تمام کے تمام شرکیہ کلمات ہیں''۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اس کلام پر غور فرمائیں اور اپنے مسلم معاشرے کا جائزہ لیں کہ شرک کی جڑیں کس طرح ہمارے معاشرے میں اندر تک پھیلی ہوئی ہیں۔

10-دنیاوی فوائد حاصل کرنے کے مقصد سے عبادت کرنا:

یہ شرک کی ایک ایسی مخفی شکل ہے جس میں اچھے خاصے پڑھے لکھے اہل علم بھی مبتلا ہیں۔ بہت سارے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ جب ان کی زندگی میں کوئی ٹرننگ پوائنٹ آتا ہے تو اہم دنیاوی مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے عبادت گزار بن جاتے ہیں، صدقہ وخیرات کرنے لگتے ہیں، مثلا سامنے امتحان ہو، کسی نوکری کی تلاش میں ہو، کسی اچھے گھرانے میں شادی کی تلاش میں ہو، گھر میں کوئی قریبی بیمار ہو اور شفا نہ مل رہی ہو، تجارت گھاٹے میں چل رہی ہو، کوئی بڑا نقصان ہو گیا ہو تو اللہ تعالی کو خوش کرنے کے لیے تاکہ وہ خوش ہو کر اسے مطلوبہ دنیاوی اہداف عطا کر دے، اس سے مصیبتوں کو ٹال دے نمازی بن گیا، پہلی صف میں حاضر ہونے لگا، نفلی روزوں کا اہتمام کرنے لگا، صدقہ وخیرات کرنے لگا، وغیرہ۔ ان عبادتوں کو انجام دینے کے پیچھے دور دور تک اس کا یہ مقصد نہیں کہ اللہ کی جنت حاصل ہو، جہنم سے نجات مل جائے، حالانکہ اللہ تعالی نے ان عبادتوں کو جنت کے حصول اور جہنم سے نجات کے لیے مشروع قرار دیا ہے، اور یہی حقیقی کامیابی ہے۔

اگر کوئی محض دنیاوی فوائد کے حصول کے لیے ان عبادتوں کو انجام دیتا ہے تو اللہ تعالی نے ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید بیان کی ہے:

﴿مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلۡحَيَوٰةَ ٱلدُّنۡيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيۡهِمۡ أَعۡمَٰلَهُمۡ فِيهَا وَهُمۡ فِيهَا لَا يُبۡخَسُونَ ۝١٥ أُوْلَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَيۡسَ لَهُمۡ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ إِلَّا ٱلنَّارُۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُواْ فِيهَا وَبَٰطِلٞ مَّا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ﴾[ھود:۱۵-۱۶]

''جو دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتا ہے ہم اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دنیا میں ہی دے دیتے ہیں، دنیا میں بدلہ دینے میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ ان کے لیے آخرت میں جہنم کی آگ کے سوا کچھ بھی نہیں۔ دنیا میں جو انھوں نے اعمال انجام دیئے تھے وہ سب اکارت چلے گئے، برباد ہو گئے''۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ اپنی مشہور زمانہ کتاب ''کتاب التوحید'' میں اس آیت پر باب قائم کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"باب من الشرك إرادة الإنسان بعمله الدنيا".

''یعنی شرک کے اقسام میں سے یہ بھی ہے کہ انسان اپنی عبادت سے دنیا کا طلبگار رہو''۔

شیخ صالح بن عبد العزیز آل شیخ حفظہ اللہ نے ''التمہید شرح کتاب التوحید'' میں اس باب کی بہت ہی عمدہ شرح کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عبادتیں دو طرح کی ہیں:

پہلی قسم:

اللہ رب العالمین نے ان عبادتوں کو محض جنت کے حصول اور جہنم سے نجات کے لیے مشروع قرار دیا ہے، اور کتاب وسنت میں اس کا کوئی دنیاوی فائدہ ذکر نہیں کیا ہے، جیسے کہ نماز اور روزہ ہے۔ ایسی عبادتوں کو دنیاوی فوائد کے حصول کے لئے انجام دینا شرک ہے، اور اصل یہ ہے کہ یہ شرک اصغر ہے۔ ایسے لوگوں کو آخرت میں کوئی اجر نہیں ملنے والا، بلکہ ان کے لیے جہنم کی وعید ہے۔

(نوٹ: واضح رہے کہ دوران نماز سجدے یا تشہد کے آخر میں اللہ تعالی سے دنیاوی فوائد کے حصول کے لیے دعائیں کرسکتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔)

دوسری قسم:

کتاب وسنت میں ان عبادتوں کے بعض دنیاوی فوائد بھی مذکور ہوں، مثلا: صلہ رحمی، والدین کے ساتھ حسن سلوک، جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ۔

ان عبادتوں کو انجام دیتے وقت جنت کے حصول اور جہنم سے نجات کے ساتھ ساتھ اگر دنیاوی فوائد کے حصول کی نیت بھی شامل ہو تو کوئی حرج نہیں، لیکن اگر انھیں بھی صرف دنیاوی فوائد کے حصول کیلئے انجام دیا جائے، آخرت میں ثواب کی کوئی نیت نہ ہو تو شرک ہے۔ [التمہید لشرح کتاب التوحید، ص:406-407]

اگر ہم اپنے مسلم معاشرہ کا جائزہ لیں تو اچھے خاصے اہل علم بھی اس قسم کی شرک میں مبتلا نظر آتے ہیں، بلکہ بہت سارے حضرات اس مسئلہ کی حقیقت سے ہی لاعلم اور غافل ہیں۔ اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔

یہ شرک کی بعض صورتیں تھیں جنھیں اختصار کے ساتھ ذکر کرنے کی کوشش کی گئی تاکہ اندازہ لگایا جاسکے کہ کس طرح کے شرک کے اثرات سے ہم اور ہمارا معاشرہ گھرا ہوا ہے۔

معزز قارئین!

عموماً گناہ سے دل میں ایک نکتہ پڑ جاتا ہے۔ اور شرک سب سے بڑا گناہ ہے۔ جہاں شرک موجود ہے وہاں دوسرے کسی بھی گناہ کی توقع کی جاسکتی ہے۔ شرک اپنے ساتھ بے حیائی، فحش کاری، عریانیت، ظلم، مکروفریب، وحشیت اور بربریت لاتا ہے، جب کہ توحید ان تمام ظلمتوں سے روشنی کی طرف لاتی ہے۔ شرک سے دل میں رعب پیدا ہو جاتا ہے، نتیجتاً اپنے سے لاچار و بے بس چوہے، بلی اور کیٹ پتنگوں بلکہ مردوں اور شجر وحجر سے بھی ڈرنے لگتا ہے، جب کہ موحد اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ شرک سے عقل بھی ماند پڑ جاتی ہے۔ اور انسان یہ تک نہیں سمجھ پاتا کہ جس کی عبادت کر رہا ہے وہ خود کتنا کمزور، لاچار، بے بس ہے۔ اللہ تعالی ہر ایک کو فطرت سلیمہ پر پیدا کرتا ہے، لیکن شرک اس فطرت کو کچل دیتا ہے۔

اگر سماج و معاشرہ میں کوئی گناہ عام ہو جائے تو ڈر ہے کہ اللہ کی طرف سے کوئی عذاب نہ آ جائے، اور اگر شرک عام ہو جائے تو یہ خوف کہیں زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہر طرح کے شرک کو اپنے معاشرے سے جڑ سے اکھاڑ پھینکیں، اور معاشرے کو توحید وسنت سے منور کریں۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّاب.

دعوت واصلاح

عصر حاضر کے چیلنجز اور داعی کا کردار

● شیخ محمد رحمانی (صدر ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سنٹر، نئی دہلی)

الحمدللّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین وبعد.

عصر حاضر میں فتنوں کی کثرت کی وجہ سے ایک داعی کے لیے چیلنجز بھی نئی نئی شکلیں اختیار کرتے جارہے ہیں، عصر حاضر کے فتنوں پر اگر باریکی سے غور وتدبر کیا جائے تو درحقیقت یہ سارے فتنے ماضی کے ان فتنوں سے ماخوذ ہیں جن سے اسلاف امت نے بہت پہلے متنبہ کردیا تھا اور ان کے تدارک کے لیے حکمت عملی بھی تیار کرلی تھی۔ اسلاف امت کے شرعی منہاج کو اگر سامنے رکھا جائے تو اس میں اتنی قوت اور استحکام ہے کہ آنے والے ہر دور میں اس منہاج کے ذریعہ ہر اس فتنہ اور چیلنج کا مقابلہ بآسانی کیا جاسکتا ہے جو کسی بھی نئی شکل میں ابھرتا ہے۔ سلف صالحین کے منہج کی یہی برکت ہے کہ وہ قدیم ہونے کے باوجود نت نئے فتنوں اور انحرافات کا پوری قوت کے ساتھ سامنا بھی کرسکتا ہے اور انہیں شکست بھی دے سکتا ہے۔

قرون مفضلہ ہی سے جن فتنوں نے سر اُٹھایا ان فتنوں کا امتداد بعد کے ادوار میں مسلمانوں کے لیے محض اس وجہ سے چیلنج بنتا اور شدت اختیار کرتا چلا گیا کہ مسلمان علم وعمل اور دینی بنیادوں پر استحکام حاصل کرنے نیز عقائد واصول کی پیروی میں کمزور ہوتے چلے گئے، ایک فتنہ ذوالخویصرہ کا فتنہ تھا جو خروج کی مختلف شکلوں کو اختیار کرتا ہوا نئے نئے چیلنج پیدا کرتا رہا اور آج امت اسلامیہ کے لیے سب سے خطرناک فتنہ اور شبہات اور جراثیم پیدا کرنے کا بنیادی ذریعہ ہے، دہشت گردی، شدت پسندی اور ''اخوانیت وسروریت'' کے تمام تر بنیادی عناصر اسی فتنہ پر محیط ہیں۔ اسی طرح عبداللہ بن سبا یہودی کے ذریعہ پیدا کئے گئے فتنوں کے نتیجہ میں صحابہ کرام کو مجروح اور پوری اسلامی تاریخ کو مشکوک کیا گیا اور رفض وتشیع کو جڑ پکڑنے کا اور سر اُٹھانے کا موقع ملا، تکفیر کے جراثیم پنپنے لگے، جدید دور میں ان رافضی اور سبائی فتنوں کو اسلامی قرار دینے میں بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی اور اسلام کے بڑے سے بڑے دشمنوں کو اسلام کا حامی اور داعی وامام بنا کر مسلمانوں کو گمراہ کیا گیا، اس مجرمانہ کاوش کے پیچھے بھی روافض اور ان کے ہمنواؤں کا جو کردار رہا ہے وہ جدید دور میں نئی شکلیں اختیار کرکے امت اسلامیہ کے لیے چیلنج بنا ہوا ہے۔ اس چیلنج کو بڑھاوا دینے میں بھی جدید خوارج یعنی اخوانی فکر کے حاملین کا بڑا رول ہے۔ ان فتنوں سے متعلق ایک بڑا چیلنج یہ بھی ہے کہ یہ کسی خاص مکتب فکر کے نام سے کام نہیں کرتے بلکہ یہ تمام مکاتب فکر کے ان افراد کو اچک لیتے ہیں جو منہج سلف سے ناواقف اور جذباتی باتوں سے متاثر ہونے کا مزاج رکھتے ہیں۔ ان فتنوں کا پھیلاؤ اتنا تشویش ناک ہوتا ہے کہ اگر ان کے حقائق

واضح ہوجائیں یا ان پر کہیں پابندی بھی عائد کردی جائے تو یہ فورا کسی دوسرے نام سے اپنے باطل اہداف کی تکمیل کے لیے نیا چہرہ اور مکھوٹا لگا کر سرگرم عمل ہوجاتے ہیں۔ ان کے اندر اپنی باطل فکر پر مسلم افراد کا شکار کرنے کے اتنے سارے حربے ہوتے ہیں کہ دوسرے مکاتب فکر کے افراد بظاہر اپنی اپنی تحریکوں اور مسالک کی طرف منسوب ہوتے ہوئے بھی ان کی فکر کی ترویج کا کام انجام دیتے ہیں اور یہی صورت حال ان سہولت کاروں اور مصلحت پسندوں کی بھی ہوتی ہے جو صلح کلیت دلدادہ ہو کر اور سلفیت کا لبادہ اوڑھ کر ان کے باطل افکار کی ترویج کا جرم انجام دیتے ہیں۔ یہ ''سروری'' بظاہر سلفی اور بباطن اخوانی روپ اختیار کر کے جماعت اہل حدیث کے لیے اس وقت ایک چیلنج بنے ہوئے ہیں۔

جماعت کو درپیش چیلنجز درحقیقت ان خارجی طاقتوں کے ذریعہ وجود میں آئے تھے جو طاقتیں اسلام کو نشانہ بنانے کے مقاصد کے تحت وجود میں آئی تھیں اور انہیں کی سازشوں کے نتیجہ میں مسلمان مختلف فرقوں اور مکاتب فکر میں بٹ گئے اور علم کلام وعلم فلسفہ میں مشغول ہو کر تباہی کے دہانہ پر پہنچ گئے نیز تصوف کی تاریک اور عمیق گمراہیوں میں گم ہو کر رہ گئے، ضلالت کو گلے لگالیا اور بعد کے ادوار میں شیطان رجیم نے انہیں ہتھکنڈوں کو داخلی فتنہ اور چیلنج بنا کر مسلمانوں کے درمیان فروغ دینے کا تجربہ کیا اور کسی حد تک اپنی کاوش میں کامیاب بھی رہا۔

حساس دل ودماغ رکھنے والے اہل حدیث اور سلفی دعاۃ عصر حاضر میں جن چیلنجز کا سامنا کر رہے ہیں ان میں بھی مذکورہ بالا فتنوں سے پیدا ہونے والے شبہات اور عناصر نئی شکلوں میں اپنا کام کر رہے ہیں اور دعاۃ میں پایا جانے والا ایک باغیرت اور منہجی حمیت رکھنے والا طبقہ جس کی تعداد بہت معمولی ہے وہی اللہ کی مدد ونصرت سے اس کا سامنا کرنے اور بقدر استطاعت اس سے نبرد آزما ہونے کے لئے کوشاں ہیں۔ کثر اللہ من أمثالھم۔

اس سلسلہ میں ہمارے سامنے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کی حدیث ہونی چاہیے جس میں بہت واضح انداز سے فتنوں کا تذکرہ کردیا گیا ہے فرماتے ہیں:

''كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسولَ اللهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وَسَلَّمَ عَنِ الخَيْرِ، وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي، فَقُلتُ: يا رَسولَ اللهِ، إنَّا كُنَّا في جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ، فَجَاءَنَا اللَّهُ بهذا الخَيْرِ، فَهلْ بَعْدَ هذا الخَيْرِ شَرٌّ؟ قالَ: نَعَمْ، فَقُلتُ: هلْ بَعْدَ ذلكَ الشَّرِّ مِن خَيْرٍ؟ قالَ: نَعَمْ، وَفِيهِ دَخَنٌ، قُلتُ: وَما دَخَنُهُ؟ قالَ: قَوْمٌ يَسْتَنُّونَ بغيرِ سُنَّتِي، وَيَهْدُونَ بغيرِ هَدْيِي، تَعْرِفُ منهمْ وَتُنْكِرُ، فَقُلتُ: هلْ بَعْدَ ذلكَ الخَيْرِ مِن شَرٍّ؟ قالَ: نَعَمْ، دُعَاةٌ علَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَن أَجَابَهُمْ إلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا، فَقُلتُ: يا رَسولَ اللهِ، صِفْهُمْ لَنَا، قالَ: نَعَمْ، قَوْمٌ مِن جِلْدَتِنَا، وَيَتَكَلَّمُونَ بأَلْسِنَتِنَا، قُلتُ: يا رَسولَ اللهِ، فَما تَرَى إنْ أَدْرَكَنِي ذلكَ؟ قالَ: تَلْزَمُ جَمَاعَةَ المُسْلِمِينَ وإمَامَهُمْ، فَقُلتُ: فإنْ لَمْ تَكُنْ لهمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إمَامٌ؟ قالَ: فَاعْتَزِلْ تِلكَ الفِرَقَ كُلَّهَا،

ولو أَنْ تَعَضَّ علَى أَصْلِ شَجَرَةٍ حتَّى يُدْرِكَكَ المَوْتُ وَأَنْتَ علَى ذلكَ". (صحیح مسلم)

''حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر کے بارے میں سوال کرتے تھے اور میں شر اور فتنوں سے متعلق سوال کرتا تھا اس ڈر سے کہ کہیں میں اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں، تو میں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول ہم جاہلی دور اور شر و فتنہ میں تھے تو اللہ نے ہمیں اس خیر سے نوازا (یعنی رسول کی بعثت کی دولت سے نوازا) تو کیا اس خیر کے بعد بھی شر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں اس کے بعد بھی شر ہے میں نے کہا کہ کیا اس شر کے بعد پھر خیر ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہاں اور اس میں دخن ہوگا (بری چیزیں ہوں گی) حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اس کی بری چیزیں کیا ہوں گی؟ تو آپ نے فرمایا کہ ایسی قوم ہوگی جو میری ہدات کو چھوڑ کر باطل ہدایت تلاش کرے گی۔ (یعنی خلاف سنت و شریعت طریقہ اختیار کرے گی) آپ نے فرمایا کہ ان سے صحیح باتیں لے لو اور بری چیزوں کا انکار کر دو۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پھر سے سوال کیا کہ کیا اس خیر کے بعد بھی شر اور فتنہ ہوگا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں ہوگا۔ ایسے دعاۃ ہوں گے جو جہنم کے دروازے کی طرف بلائیں گے جو ان کی باتیں تسلیم کرلے گا اسے جہنم میں ڈھکیل دیں گے۔ راوی نے فرمایا کہ اے اللہ کے رسول ان کی صفت بیان فرما دیں۔ تو آپ نے فرمایا وہ ہماری چمڑی سے ہوں گے (یعنی ہم میں سے اور ہمارے قرابت داروں اور متعلقین میں سے ہوں گے) اور وہ ہماری زبان بولیں گے (یعنی اللہ اور اس کے رسول کی بات کریں گے لیکن ان کے دلوں میں نفاق ہوگا) حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں اس وقت زندہ رہا تو آپ مجھے کس بات کا حکم دیتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت (جو قرآن و سنت اور فہم سلف پر ہو) کو اور اس جماعت کے امام کو لازم پکڑنا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پھر سے سوال کیا کہ اگر کوئی جماعت اور امام ہی نہ ہوگا؟ تو آپ نے فرمایا کہ ان تمام باطل فرقوں کو چھوڑ دینا (یعنی مسلمانوں کی جماعت اور امام کے وجود کے بجائے جو بھی فرقے اور جماعتیں ہوں گی ان کو چھوڑ دینا) چاہے تم کو درخت کی جڑیں چبا کر زندگی گزارنی پڑے لیکن تم اسی پر قائم رہنا یہاں تک کہ تم کو موت آجائے اور تم اسی پر باقی رہو۔'' (صحیح مسلم)

اس عظیم حدیث رسول کو سامنے رکھ کر اگر عصر حاضر میں پائے جانے والے چیلنجز پر غور کیا جائے تو ایسا لگتا ہے کہ اس روایت میں سب کچھ ذکر کر دیا گیا ہے۔ فتنوں سے متعلق چند دیگر روایات میں بھی بعض علامتوں اور پیشین گوئیوں کا تذکرہ ملتا ہے مثلاً: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی کہ: جماعت قائم رہے گی لیکن افراد کا مزاج ایسا ہوگا کہ معمولی معمولی باتوں پر دلوں میں نفرتیں پالیں گے اور ظاہری طور پر تو صلح کر لیں گے لیکن اندرونی لڑائی جاری رکھیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ ایسے افراد منظر عام پر آجائیں گے جو بظاہر تو انسان ہوں گے لیکن باطنی طور پر شیطان کا کردار ادا کریں گے۔ وغیرہ۔

عصر حاضر کے چیلنجز:

عصر حاضر کے بعض چیلنجز اختصار کے ساتھ حوالۂ قلم کئے جا رہے ہیں ان شاء اللہ اس سے ائمہ مساجد، خطباء اور دعاۃ کو

چیلنجز اور اپنی ذمہ داریاں سمجھنے میں آسانی ہوگی:

۱- اعتقادی ومنہجی غیرت کے فقدان کا فتنہ:

یہ ایک ایسا فتنہ اور چیلنج ہے جو بہت تیزی کے ساتھ اپنے پیر پھیلا رہا ہے۔ اس وقت یہ نظریہ کثرت کے ساتھ دیکھنے میں آتا ہے کہ کسی کو اس کی غلطی پر نہ ٹوکا جائے ورنہ لوگ ناراض ہوجائیں گے، اس کے پیچھے بسا اوقات مادی وسائل کی فراہمی کا دخل ہوتا ہے اور کبھی کبھار شہرت طلبی، ٹی آر پی اور عوام الناس میں مقبول ہونے کا شوق بھی اس کے پیچھے اپنا کردار ادا کرتا ہے، مال کو امت اسلامیہ کے بڑے فتنوں میں سے ایک بتایا گیا ہے۔ مال کے اس فتنہ نے ہمیں دوسروں کا حق مارنے، حق گوئی سے سکوت اختیار کرنے، دین کے بجائے دنیاداری کو مقدم رکھنے پر آمادہ کردیا ہے۔ عموماً دنیاوی مقاصد کو مقدم کرنے کے نتیجہ میں بہت سے دعاۃ اس مسئلہ میں بھی خاموشی اختیار کرلیتے ہیں جس کے نتیجہ میں منہج سلف کی دعوت کو نقصان پہنچتا ہے اور بسا اوقات اخوانیت وسروریت کو اسی بنیاد پر جماعت کے بعض حلقوں میں اپنے باطل افکار پھیلانے کا موقع فراہم ہوجاتا ہے۔

۲- اہل بدعت کے لیے گنجائش نکالنے کا فتنہ:

قرآن وسنت کے دلائل اور اسلاف امت کے اقوال کی روشنی میں اہل سنت وجماعت نے اہل بدعت سے متعلق جو ضوابط ذکر کیے ہیں آج بہت سے سہولت کار افراد اعتدال کی غلط تعبیر پیش کرکے ان میں تساہل کا شکار ہیں جس کے نتیجہ میں سنت وبدعت کی تفریق اور ان میں پائے جانے والے واضح تضاد نیز بدعات کی خطرناکی اور ضلالت سے متعلق امت اسلامیہ کے بہت سے افراد شبہات کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔ اہل بدعت کے مضامین، ان کی کتابیں اور لٹریچر، ان کے باطل افکار پر مبنی محاضرات اور دروس وغیرہ کو سننا اور جماعتی افراد کے درمیان ان کا عام ہونا انہیں سہولت کاروں کے تساہل اور اہل بدعت سے متعلق سلفی ضوابط کی مخالفت کا نتیجہ ہے اور اس کا سب سے زیادہ نقصان خالص سلفی دعوت اور خالص اسلام کو پہونچتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ یوسف قرضاوی، ڈاکٹر اسرار، طارق مسعود، طارق جمیل، فرحت ہاشمی، انجینئر علی مرزا، یوتھ کلب کے دعاۃ اور دیگر بے شمار افراد کو ان کے تمام تر انحرافات اور بدعات کے باوجود سلفی نوجوانوں نے اپنی ترجیحات میں شامل کررکھا ہے۔

اس سلسلہ میں اعتدال کے نام پر اہل بدعت کے تعارف اور تشہیر کے رویہ کا بھی ایک منفی اور تباہ کن رول رہا ہے جو اپنے موقف پر نظر ثانی اور تصفیہ کرنے کے بجائے روز بروز نئے نئے حربے استعمال کرکے مزید فتنے کھڑے رہے ہیں اور اخوانیت کو بڑھاوا دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑ رہے ہیں۔

۳- ناقابل اعتماد ذرائع سے علم کا حصول:

رسول اکرم ﷺ اور اسلاف امت نے ہمیں بار بار رویبضہ اور علمائے حق کی صحبت میں نہ بیٹھنے والے افراد اور محض ذاتی مطالعہ سے علم شریعت حاصل کرنے والوں سے سختی کے ساتھ ڈرایا ہے۔ لیکن جماعت اہل حدیث کے افراد میں ایک تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو غیر علماء سے علم کے حصول کے لیے دیوانگی تک کے شکار ہیں۔ متعالمین کا یہ فتنہ ڈاکٹر ذاکر نائیک کے بعد سے ایسی شکل اختیار کرگیا جس کا تصور بھی ممکن نہیں تھا۔ اب

ایڈوکیٹ، انجینئر، ڈاکٹر اور دیگر بے شمار غیر شرعی پیشوں سے جڑے افراد کو اپنا قائد بنا کر ان سے جہالت کی باتیں لینا اور گمراہی کو عام کرنا اور پھیلانا ایک عام وبا کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ اگر علمائے حق سہولت کاری کا راستہ چھوڑ کر اس انداز کے فتنوں کے سدباب کے لیے آگے نہ آئے تو منہج سلف اور خالص شریعت اسلامیہ کی دعوت کو مزید نقصان پہونچے گا اور دعاۃ کیلئے آخرت کی جوابدہی مشکل ہوتی چلی جائے گی۔ ان برادرز کو متعارف کرانے میں ملک کے سہولت کاروں کا بھی ایک بڑا کردار رہا ہے جو کہیں نہ کہیں اپنی مادیت پرستی، حصول شہرت، کمزور حکمت عملی اور سہولت کاری کے نتیجہ میں سلف صالحین کے منہج کو شعوری یا غیر شعوری طور پر نقصان پہونچانے کا سبب بن جاتے ہیں۔

۴۔ مرجعیت علما کے فقدان کا فتنہ:

دینی و دنیاوی تمام امور میں علمائے حق کی مرجعیت منہج سلف کا بنیادی حصہ ہے، یہ اہل بدعت کا طریقہ رہا ہے کہ وہ عوام کو علمائے حق سے دور کرتے ہیں اور محض اپنے ہی علما تک محدود رہنا چاہتے ہیں لیکن اگر جماعت اہل حدیث میں بھی عوام کو علماء بے زار بنانے اور انبیاء کے وارثین سے بدظن کرنے کا کام انجام دیا جانے لگے تو یہ تشویش ناک عمل ہے۔ علمائے حق سے دوری بنانے کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہوتا ہے کہ کہیں وہ کسی بات پر نکیر نہ کر بیٹھیں، ایسے افراد جو دنیاداری اور اپنے مفادات کے لیے دین کی خدمت کو ڈھال بناتے ہیں یہ اکثر سیکولر مولوی اور مصلحت پسند افراد کی تلاش میں رہتے ہیں اور ان کی اس ذہنیت کا نقصان عوام کو اُٹھانا پڑتا ہے۔ معاشرہ میں جو بھی سلفی دعاۃ کام کر رہے ہیں اگر ان کے اندر علما سے جڑنے اور استفادہ کرنے کا شوق نہیں ہے تو وہ بھی دھیرے دھیرے صلح کلی اور مصلحت پسندی کا شکار ہو کر سیکولر بن جاتے ہیں۔

دعاۃ کی ذمہ داری ہے کہ وہ کبار علماء اور راسخین فی العلم سے ممکنہ رابطہ میں رہیں یا کم از کم اسلاف امت کے متون علمیہ کو مقامی علما کے ذریعہ پڑھتے پڑھاتے رہیں اور اپنے طرز عمل کو انہیں دروس کی بنیاد پر صحیح رخ دے کر دعوتی فریضہ انجام دیں۔

۵۔ مدارس اسلامیہ کے معیار تعلیم اور دستوری استحکام کا فقدان:

مدارس اسلامیہ دین اسلام کے تمام عناصر کو تحفظ فراہم کرنے کا سب سے مضبوط اور بنیادی قلعہ ہیں، مدارس کے سسٹم، نصاب تعلیم، دستور العمل، اساتذہ کی تنخواہوں کا معیار اور ان کی اہلیت، انتظامیہ اور اساتذہ وطلبہ کے درمیان اصول وضوابط کی روشنی میں باہم رابطہ وغیرہ تمام عناصر کا مضبوط اور مستحکم ہونا شریعت اسلامیہ کی بقا کا بنیادی ذریعہ ہے۔ لیکن اس وقت جماعت کو جن چیلنجز کا سامنا ہے ان میں مدارس اسلامیہ کی ساکھ کا کمزور ہونا بھی ہے۔ اس سلسلہ میں کوئی بھی ایسا قدم، اقدام یا پالیسی جو مدارس اسلامیہ کے ذرائع آمدنی میں رکاوٹیں پیدا کرنے کا سبب بنے وقت اور حالات کا ایک بڑا چیلنج ہے۔

اسی طرح مدارس اسلامیہ میں پڑھائے جانے والے نصاب کے تراجم اور انہیں شارٹ انداز میں عوام تک لانا، مدارس کی چہار دیواری میں رہ کر تعلیم وتعلم کے نظام کے خلاف میڈیا کے ذریعہ طلبہ تک پہنچانے کی سعی کرنا وغیرہ بھی مدارس کی ساکھ کو کمزور

کرنے کا ایک حربہ ہے۔

مدارس اسلامیہ کے قانونی اسٹیٹس کا مسئلہ بھی اس وقت ایک چیلنج بنا ہوا ہے، لہٰذا ہمارے لیے ایک اہم چیلنج یہ بھی ہے کہ مدارس اسلامیہ کو قانونی استحکام فراہم کیا جائے تاکہ تمام تر نشاطات پر پوری مضبوطی کے ساتھ کام انجام دیا جاسکے۔

۶۔ تعصب وعصبیت کا فتنہ:

تعصب وعصبیت کا فتنہ بھی عصر حاضر کے ان فتنوں میں سے ہے جن کی وجہ سے سلفیت کی پاکیزہ نسبت کو نقصان ہوا ہے، علاقائیت کی عصبیت، برادری کا تعصب، تہذیب اور زبان کی عصبیت اور دیگر تعصّبات اگر اس حد تک غالب ہوجائیں کہ ہم دین ومسلک پر ان تعصّبات کو ترجیح دینے لگیں، رشتہ داریاں قائم کرنے میں دینداری کی ترجیح کے بجائے برادری کا تعصب غالب آجائے، عقیدہ وایمان کو ثانوی حیثیت دی جانے لگے اور ایمانی ترجیحات کے بجائے اس عصبیت کو مقدم رکھا جانے لگے تو یہ بھی جہالت کے غلبہ اور عصبیت کے مقدم ہونے کی دلیل ہے جسے اسلام نے معیوب سمجھا ہے۔ سلفیت کی نسبت اگر ان تعصّبات پر دب کر رہ جائے تو یقینا یہ نقصان کا باعث ہے۔ عصر حاضر کے دعاۃ کی ذمہ داری ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کی بنیاد پر تقوی کو ترجیح دے کر دعوتی مشن کو آگے بڑھائیں اور عصبیت سے پرہیز کریں نیز منہجی غیرت کا ثبوت دیں۔

۷۔ مال ودولت اور عہدہ ومناصب کی حرص کا فتنہ:

یہ ایک ایسا فتنہ ہے جس نے بعض لوگوں کو دیمک کی طرح چاٹ کر کھوکھلا کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں لوگوں کا مزاج خراب کرنے کے پیچھے بھی اخوانی فکر کے حاملین نظر آئیں گے جنہوں نے فراہی مشاریع کے بہانے سے دین ومسلک اور منہج وعقیدہ کو بھی متاثر کر دیا ہے۔

یہی صورت حال عہدہ ومنصب کی حرص کی بھی ہے۔ جماعت وامت کی بقا اور اس کے شیرازہ کو انتشار سے بچانے اور قوم کی مصلحت کی خاطر عہدہ ومناصب کو فاسد ذہنوں سے بچانے کے لیے کبھی کچھ مصلحتیں اختیار کرنا معیوب نہیں ہے لیکن انسان بنا کسی مصلحت کے محض ذاتی مفاد کے لیے ایسا کرے تو یہ عمل سخت معیوب اور قوم کے فساد کا باعث ہے لہٰذا ہمارے دعاۃ کو اس سے محفوظ رہنا چاہیے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان ہے کہ عہدہ ومنصب کو تم خود طلب نہ کرو کیوں کہ اس سے تم اللہ کی مدد سے دور ہوجاؤ گے لیکن اگر تم کو مناصب پر بیٹھا دیا جائے اور تم اس کے حریص نہ ہو تو اللہ کی مدد تمہارے ساتھ ہوگی۔

مال ودولت اور مناصب کی حرص کے اس فتنہ نے امت میں ایک بکھراؤ پیدا کیا ہے کہ اس کے نتیجے میں صلاحیتیں ضائع ہورہی ہیں، امت میں انتشار پیدا ہورہا ہے، علما کی مرجعیت بھی امت کو دور کرنے کا جرم انجام دیتا ہے۔

مال ودولت کے فتنہ نے بہت سے ایسے وسائل بھی متعارف کرائے ہیں جن کے نتیجہ میں جماعت اور امت کے افراد کا ایک بڑا سرمایہ اور خطیر رقم مال کے حریص افراد اور علماء کے ذریعہ مشکوک اور غیر معتمد اسکیموں میں جھونک دیے گئے اور جماعت کا ایک بڑا طبقہ دھوکہ کھا کر آسمان سے زمین پر آگرا اور ساری زندگی اور پورا سرمایہ تباہی کے دہانہ پر پہونچ گیا۔

۸- شہرت پسندی، خودنمائی اور بے تحاشہ میڈیا کے استعمال کا فتنہ:

تصویر کشی اور ویڈیو گرافی کو شرعی ضرورت تک محدود رکھنے کی گنجائش اور جواز کا فتوی بعض علما نے دیا ہے جبکہ دیگر بہت سے علماء اس سے بھی محتاط رہنے کے قائل ہیں اور یقینا احتیاط ہی میں خیر اور اطمینان ہے۔لیکن عصر حاضر میں کیمرہ کے بلا ضرورت استعمال نے خودنمائی اور شہرت طلبی کو بڑھاوا دیا ہے، اخلاص میں کمی آئی ہے اور ایک ایک لمحہ کی تصاویر کو قید کرنے اور نشر کرنے کے رواج نے عروج اختیار کرلیا ہے۔صورت حال یہ ہے کہ بعض لوگ اس سلسلہ میں شدید تساہل کا شکار ہیں، سواریوں سے اترنے چڑھنے کی تصاویر اور ویڈیوز، جلسہ گاہ کے تمام مناظر، کھانے پینے کے اوقات کی تصاویر، گھومنے ٹہلنے کے مناظر، پوسٹر اور بینر پر بلا ضرورت تصاویر کا استعمال، شخصیت کی شہرت کے لحاظ سے بڑی اور چھوٹی تصاویر کی اشاعت، سیلفی کا عام رواج نیز دوسری وہ تمام شکلیں جو اس شوق کی تکمیل کے لیے استعمال کی جاتی ہیں وہ سب موجودہ دور کے ان فتنوں میں شامل ہیں جو علماء اور دعاۃ کے لیے چیلنج بنی ہوئی ہیں۔تصاویر سے متعلق شریعت اسلامیہ کا سخت موقف ہمارے سامنے ہونا چاہیے اور اس سے متعلق سنجیدہ فیصلے لیے جانے چاہیے۔

۹- شخصیت پرستی اور مبالغہ آرائی کا فتنہ:

جماعت کے اندر ایک جانب شخصیات سے بے زاری کا فتنہ بکثرت دیکھنے کو ملتا ہے لیکن دوسری جانب شخصیت پرستی اور اس میں مبالغہ آرائی کے بھی بہت سے واقعات سامنے آتے رہتے ہیں ،عوام الناس کو بعض شخصیات اور علماء سے جڑ کر زندگی گزارنے کی ضرورت کو سامنے رکھنا ہی چاہیے اور قابل اعتماد علما کا انتخاب کرنا چاہیے تاکہ ان کو دین کی صحیح رہنمائی ملتی رہے لیکن معاملہ تشویش ناک تب ہوتا ہے جب کسی غلط فکر کے عالم سے جڑ کر اسے ہی حرف آخر سمجھ لیا جاتا ہے، شخصیات کا احترام یقینا ضروری اور شریعت میں مطلوب ہے لیکن اس میں اتنا غلو آجائے کہ انسان شریعت و منہج کو کنارہ کردے تو یہ نقصان کا باعث ہے، صورت حال تو یہاں تک بھی نظر آنے لگی ہے کہ بعض فضلاء بھی بسا اوقات غیر علماء واعظین کے اتنے مداح اور دفاعی نظر آتے ہیں کہ شاید کبھی کسی عالم دین کے دفاع کے لیے ان کے اندر اتنی غیرت پیدا نہ ہوتی ہو۔

شخصیت پرستی کے اس فتنہ نے بہت سے مسائل میں حق پرستی کو مجروح اور بہت سے علمی و منہجی مسائل میں عوام کو شبہات کا شکار بنا کر کنفیوز بنا دیا ہے جو بہر حال منہج ومسلک کی حقانیت کو ثابت کرنے میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے۔بہر حال مبالغہ آرائی اور مبالغہ آرائی پر خاموشی، رضا مندی اور عدم تنبیہ ایک خطرناک عنصر ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔

۱۰- ملکی امن وسلامتی کے قیام میں خلل پیدا کرنے کا فتنہ:

امن وسلامتی کا قیام اسلامی تعلیمات کا انتہائی اہم حصہ اور بنیادی رکن ہے، امن وسلامتی کے فقدان کے نتیجہ میں دعوت وتبلیغ اور اس کے مختلف گوشوں کا پورا کام رک جاتا ہے اور بے چینی پیدا ہونے میں انسان نہ عبادات انجام دے پاتا ہے اور نہ سکون کی سانس لے پاتا ہے۔سلفی منہج امن وسلامتی کا سب سے بڑا داعی ہے

لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ بسااوقات بعض جذباتی قسم کے دعاۃ یا شدت پسند شخصیات کے جذبات کے نتیجہ میں بے شمار مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ دھرنے اور مظاہرے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔ سلفی علمانے ان کو حرام قرار دیا ہے اور ملکی آئین کی روشنی میں بہت سے راستے موجود ہیں جیسے ڈائیلاگ، بات چیت، میمورنڈم اور بوقت ضرورت عدالت اور قانون کا راستہ اختیار کر کے ہم اپنے حقوق حاصل کر سکتے ہیں اور مسائل بھی حل کر سکتے ہیں۔

مظاہروں اور دھرنوں نے فساد اور بے چینی نیز بے گناہ افراد کی گرفتاری کا جواز تلاش کرنے کے سوا کچھ نہیں دیا ہے۔

ملکی آئین سے متعلق بھی ہمارا موقف آئین کے احترام اور اس کی بالادستی کا ہونا چاہیے کیوں کہ ہم جس سسٹم میں زندگی گزارتے ہیں اگر وہ سسٹم اور دستور شرعی بنیادوں سے نہیں ٹکراتا تو اسے تسلیم کرنا عہد و پیمان کی پاسداری ہے جسے پورا کرنا ہمارا فریضہ ہے۔

۱۱۔ تواضع کے فقدان اور کبر و تعلی کا فتنہ:

تواضع انسان کی سربلندی کا ذریعہ ہے اور کبر و غرور اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے، لہٰذا دعاۃ کو تواضع اختیار کرنا چاہیے، اس میں بڑی برکت ہے اور تعلی دعوت کے میدان میں بھی سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور انسان کی آخرت کیلئے بھی تباہی کا سامان ہے۔ اگر یہ تعلی اپنے علم اور اپنی صلاحیت سے متعلق پیدا ہوجائے تو اس کی قباحت مزید خطرناک ہوجاتی ہے اور یہ مزید تباہی کا سامان بن جاتی ہے۔ علمی تعلی انسان کو رب کے خلاف اور اپنے بڑوں کے خلاف جرائم پر آمادہ کر دیتی ہے۔ دعاۃ کو اس سے ہر حالت میں بچنا چاہیے۔ اس تعلی کی بہت سی مثالیں معاشرہ میں نظر آتی ہیں۔ بسا اوقات بعض علماء اور دعاۃ بھی اس کے شکار ہوجاتے ہیں۔ اللہ رب العالمین ہمیں تواضع اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۲۔ تکفیر اور خروج کا فتنہ:

بعض لوگوں کا ایک موقف یہ ہے کہ احناف اور دیوبندی اسلام سے خارج ہیں یا بعض کا یہ کہنا ہے کہ ان کے پیچھے صلاۃ ادا کرنا جائز نہیں، یہ فتوی ان پر حجت قائم کیے بغیر دے دیا جاتا ہے، اس موضوع پر بعض لوگوں سے گفتگو ہوئی اور ان کے سامنے بدعات مکفرہ اور مفسقہ کی تفریق پر مبنی عالم اسلام کے کبار علماء کا موقف اور فتوی نقل کیا گیا جن میں، علامہ البانی شیخ ابن باز، شیخ ابن عثیمین رحمہم اللہ اور شیخ صالح فوزان حفظہ اللہ کے نام بھی شامل تھے تو انہوں نے برجستہ کہا کہ ان سب کو قبر سے نکال کر توبہ کرائی جانی چاہیے (نعوذ باللہ من ذلک)۔ اس انداز کا شدت پسندانہ بلکہ تکفیری رویہ جماعت کے لیے خطرناک اور اہل سنت و جماعت کے موقف کے خلاف ہے۔ یقین کی حد تک حجت کا قیام حکم لگانے کے لیے ناگزیر ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں اہل علم کی جانب رجوع کیا جانا چاہیے اور اس انداز کے سخت موقف سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہ یقینی بات ہے کہ ہمیں صلاۃ کی ادائیگی کے لیے ایسی مسجد اور امام تلاش کرنا چاہیے جو متبع سنت اور صحیح العقیدہ ہو اور حکم لگانے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ دیکھا یہ جارہا ہے کہ اس طرح کا موقف رکھنے والے دیوبندیوں سے متعلق ایک جانب اتنا سخت موقف اختیار کرتے ہیں اور دوسری جانب جماعت اسلامی اور

اخوانیوں کے لیے نرمی کرتے نظر آتے ہیں۔اللہ ہمیں اس نازک مسئلہ میں اہل علم کی جانب رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۳۔ اتہام تراشی، زبان درازی اور گالی گلوچ کا فتنہ:

اتہام تراشی اور علما کو بدنام کرنے کا فتنہ بھی بہت تیزی کے ساتھ اپنے پر پسار رہا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ سہولت کاروں نے ایک موقف قائم کرلیا ہے کہ جو علما کسی کے موقف پر تنقید یا کسی نظریہ کی تردید کرتے ہیں وہ شدت پسند ہیں اور جس کے موقف کی تردید کرتے ہیں اسے سلفیت سے خارج کر دیتے ہیں۔ جبکہ یہ صریح اتہام ہے، کسی پر تنقید کرنا یا کسی کے غلط موقف سے عوام کو بچانے کے لیے اس پر جرح کرنا محض ایک فریضہ ہے جو تمام علمائے حق پر واجب ہوتا ہے اور اس کی بنیاد پر کسی کو مسلک ومنہج سے خارج کرنا ہرگز مقصود نہیں ہوتا، اس سلسلہ میں اسلاف امت اور صحابہ کرام کے مواقف اور مناہج کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ اس اتہام تراشی کے ذریعہ درحقیقت یہ سہولت کار اپنی منہجی غلطیوں اور اپنی سروریت واخوانیت پر پردہ ڈال کر منہج سلف کی غیرت رکھنے والے علما کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ اتہام تراشی کا یہ سلسلہ اب صریح طور پر جھوٹے اتہامات کی حد تک اختیار کیا جانے لگا ہے جو یقیناً تشویش ناک اور منہج سلف کی آبیاری کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ گالی گلوچ اور اتہام تراشی کسی شریف آدمی کی زبان ہو ہی نہیں سکتی چہ جائے کہ کسی طالب علم یا عالم اور داعی کی زبان ہو۔

۱۴۔ سلفی منہج کا وقار مجروح کرنے کا فتنہ:

ایک فتنہ یہ بھی نظر آنے لگا ہے کہ بعض دعاۃ اور علما بلا تفریق سب کو بلاتے بھی ہیں اور سب کے پلیٹ فارم پر جاتے بھی ہیں حتی کہ کبھی کبھی اہل بدعت کے پلیٹ فارم پر جانے سے بھی گریز نہیں کرتے، جس کے نتیجہ میں عوام بلکہ خواص میں بھی بے چینی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر اس انداز کا تعاون محض ملی مسائل کے لیے اختیار کیا جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں شرعی ومنہجی مسائل میں تنازل کی نوبت نہیں آتی اور اس تعاون سے صرف سیاسی اور ملی مسائل پر غور کرنا مقصود ہے تب تو کسی ایسے پختہ عالم دین کو جو صحیح اور غلط کی تمیز کر سکے اور غلط نظریات کو دیکھ کر اس کی تردید کی اہلیت اور ہمت رکھتا ہو، تو اس میں شرکت کے لئے آمادہ کیا جاسکتا ہے لیکن دینی اور اسلامی بنیادوں پر قائم کئے جانے والے پروگراموں میں صرف ایک ہی صورت میں شرکت درست ہوگی کہ اس میں بدعات اور غلط نظریات کا تصور نہ پایا جائے اور اگر پایا جائے تو اس میں شرکت محض اصلاح اور انکار منکر کیلئے کی جائے۔

بعض دیگر چیلنجز اور ان کے سدباب کے بعض وسائل:

مذکورہ بالا چیلنجز کو ملک اور جماعت کے داخلی احوال کے تناظر میں بڑے اختصار کے ساتھ پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ان تمام فتنوں، چیلنجوں اور غلط افکار سے بچنے کا واحد حل دین اسلام کی جانب رجوع، علمائے حق کی مرجعیت کی بحالی، اللہ کا تقوی، قرآن وسنت کو منہج سلف پر اختیار کرنا اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنا نیز اسے زندگی کے تمام گوشوں میں نافذ کرنا، صبر اور نرمی کو اپنانا نیز جلد بازی سے پرہیز کرنا اور اللہ سے اپنے رشتہ کو مضبوط کرنا اور دعا میں توفیق طلب کرنے کا اہتمام کرنا وغیرہ ہے۔ اللہ رب العالمین ہمیں اس کی توفیق خاص سے نوازے۔ (آمین)

دعوت واصلاح

دعوتی منصوبہ بندی اور فیلڈورک کی اہمیت

● شیخ رشید سمیع سلفی (جامعۃ التوحید، بھیونڈی)

انسانی زندگی میں پلاننگ اور منصوبہ بندی کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔موجودہ دور میں یہ ہرقوم کا شعار بن چکا ہے۔اس کے بغیر انسان اپنے مقصد کا خاطر خواہ نتیجہ نہیں پا سکتا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی میں منصوبہ بندی کامیابی کیلئے فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے۔کامیابی اور ترقی کے اس ہنر کی اسلام میں نہ صرف تعلیم دی ہے بلکہ اس کو برتا بھی ہے۔اگرغور کریں تو اللہ کی اس کائنات میں بھی طویل منصوبہ بندی کے مظاہر نظر آتے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُۥ تَقْدِيرًا﴾ [الفرقان:۲] اور اس نے ہر چیز پیدا کیا پھر مکمل اندازہ فرمایا، وہ اسطرح کہ ہر چیز کو ایک اندازے اور منصوبے کے تابع کیا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَكَانَ أَمْرُ ٱللَّهِ قَدَرًا مَّقْدُورًا﴾ [الاحزاب:۳۸]، اور اللہ کا معاملہ پہلے سے اندازہ کیا ہوا ہے، جس میں نہ کوئی کمی ہے، نہ ہی کوئی عیب۔

ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَٰهُ بِقَدَرٍ ۝٤٩ وَمَآ أَمْرُنَآ إِلَّا وَٰحِدَةٌ كَلَمْحٍۭ بِٱلْبَصَرِ﴾ [القمر:۴۹-۵۰] حقیت میں ہم نے ہر چیز پہلے سے طے کرلیا ہے ہمارا معاملہ وکام تو ایک دم میں پلک جھپکنے کی طرح ہوتا ہے، وہ اندازہ کرتا ہے اور متعلقہ چیز کو منصوبہ کے مطابق انجام دینے میں پلک جھپکنے کی بھی دیر نہیں ہوتی ہے۔ قرآن کے یہ حوالے بتاتے ہیں کہ منصوبہ بندی اللہ کی حکمت تخلیق کا حصہ ہے۔اللہ تعالی نے قرآن مجید میں پیغمبروں کا تذکرہ فرمایا اور ان کے دعوتی جد و جہد کی طویل تاریخ بیان فرمائی۔قران کے بیان کردہ سرگذشت میں جابجا ہم کو پیش بندی اور پلاننگ نظر آتی ہے۔حضرت نوح علیہ السلام کا کشتی بنانا اور پھر کشتی میں درجہ بندی اور ترتیب اور بہت سے حیوانات کیلئے علیحدہ حصے اور کئی دنوں کیلئے کشتی کو قابل رہائش بنانا یہ سب پلاننگ اور منصوبہ بندی کے بغیر نہیں ہوسکتا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کا سات سالہ قحط کا مقابلہ کرنے کیلئے منصوبہ اور پیش بندی اپنے دامن میں بہت بڑا پیغام رکھتی ہے۔دیگر پیغمبروں کے ساتھ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اس خاص پہلو سے بہت زیادہ نمایاں اور چشم کشا ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر ہجرت تو منصوبہ بندی کا ایک شاہکار حوالہ ہے۔سفر ہجرت اول تا آخر اللہ کی مدد کے ساتھ ایک جامع منصوبہ کا مرہون منت ہے۔ آپ کا تین روز غار ثور میں روپوش رہنا، مدینے کی بجائے یمن

کے رخ پر چلنا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلانا، تین دن کے بعد عبداللہ بن اریقط کو اونٹنیوں سمیت غار کے پاس بلانا، یہ ایک جامع منصوبہ بندی کا حصہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہر اقدام کیلئے مشورہ کیا اور منصوبہ بنایا۔ آپ کے منصوبے طویل غور وفکر اور سوچ وچار کا نتیجہ ہوتے تھے اور اکثر کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوتے تھے۔

نبی کی دعوتی منصوبہ بندی:

آپ نے دعوت کے کام میں بھی ایک ترتیب اور منصوبہ تیار کیا ہے اور اس کو روبہ عمل لایا ہے۔ سیرت کا مطالعہ اس گوشے کو بہت زیادہ نمایاں کرتا ہے، مکی زندگی میں آپ نے پہلے انفرادی اور خفیہ دعوت دی جس کے نتیجے میں بڑی اہم ترین ہستیاں مشرف بہ اسلام ہوئیں، یہ سلسلہ چند سالوں تک چلتا رہا، پھر آپ نے علانیہ دعوت کا آغاز کیا اور وہ طریقہ جس سے آپ کا پیغام کثیر تعداد تک پہونچ سکتا تھا، آپ نے اسی طریقے علانیہ دعوت کا آغاز فرمایا، کوہ صفا اس مقصد کیلئے سب سے زیادہ موزوں تھا۔ اس لئے آپ نے کوہ صفا سے آواز لگائی اور یا صباحاہ یا صباحاہ پکارا، پورا مکہ ایک جگہ جمع ہوگیا اور آپ نے توحید کا پیغام ان تک پہونچا دیا۔

آپ نے دعوت کے ہر چھوٹے بڑے کام کیلئے منصوبہ بندی فرمائی، دار ارقم کو خفیہ ٹھکانہ اس لئے بھی بنایا تا کہ وہاں کفار کی نظروں سے بچ کر دعوت کیلئے پلاننگ کرسکیں۔ دعوت کے کام کو بہتر اور پر اثر بنانے کیلئے مشورے کرسکیں، چند دنوں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعوت وتبلیغ کیلئے طائف جانا اور پھر مدینے میں کامیابیوں اور مضبوطی حاصل کرنے کے بعد بادشاہوں کے نام خطوط بھیجنا بتاتا ہے کہ آپ دعوت کا کام ایک خاص ترتیب اور منصوبے کے تحت انجام دے رہے تھے۔ سیرت کا یہ ورق دعوت کے کام میں منصوبہ بندی کا متقاضی ہے۔

دعوتی پلاننگ:

دعوتی منصوبہ بندی میں تقریر، ذاتی ملاقات (فیلڈ ورک)، آن لائن رابطہ اور تحریری دعوتی پیغامات بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ اس کی قدرے تفصیل آگے آرہی ہے۔

سب سے پہلے ہدف طے کرنا ضروری ہے، یعنی دعوتی عمل میں آپ کا ہدف کیا ہے؟ آپ کس کو دعوت دینا چاہتے ہیں اور کس چیز کی دعوت مقصود ہے؟ اس سلسلہ میں مخاطب کی تعیین پہلا قدم ہوگا۔ اس لئے مخاطبین کو مدنظر رکھ کر ایک لائحۂ عمل ترتیب دینا ہوگا۔ مخاطبین کے بارے میں محل وقوع، تعلیمی سطح، جنس، عادات ورسوم، ماحول اور عمر کے لحاظ سے دعوتی طریقہ کار تیار کرنا ہوگا۔ یقینا یہ ایک مشکل ترین امر ہے لیکن نتیجہ خیز دعوتی عمل کیلئے اس کی اہمیت مسلم ہے۔

محل وقوع یا جغرافیائی پہلو سے مدعو کا تجزیہ دعوتی منصوبہ بندی کا حصہ ہے۔ لہٰذا ان کے مقامی احوال وظروف، زبان عادات واطوار کو مدنظر رکھ کر اسی انداز کی دعوتی تیاری تبلیغ کو مؤثر بنائے گی۔

اسی طرح مخاطبین تعلیمی معیار کی جانکاری بھی ضروری ہے۔ ظاہر سی بات ہے کہ بچوں کو دعوت دینا یا بڑوں کو دعوت دونوں یکساں طریق کار کے متقاضی نہیں ہیں، اسی طرح جو لوگ تعلیم

یافتہ ہیں ان کے احوال وظروف کے شایان شان طریقہ دعوت ان سے مختلف ہوگا جو تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔

جنس کے اعتبار سے بھی دعوتی طریقہ کار پر غور وفکر ضروری ہے۔اس بارے میں اہم بات یہ ہے کہ خواتین میں دعوت وتبلیغ کیلئے خواتین زیادہ موثر ہیں۔وہ ان کے مسائل ونفسیات کونسبتاً زیادہ جانتی ہیں،اللہ کے نبی ﷺ کے تعدد ازواج کی ایک مصلحت یہ بھی بتائی گئی ہے کہ آپ نے خواتین میں دعوتی اہداف کی تکمیل کیلئے بھی ایک سے زائد شادیاں کی تھیں۔اس کا مطلب یہ نہیں ہیکہ علماء خواتین میں دعوتی کام سے لاتعلق رہیں گے، خواتین میں دعوتی کام علماء کی نگرانی میں ہونا چاہیے،آپ ﷺ نے خواتین کیلئے علیحدہ ایک دن متعین کیا تھا تاکہ ان کو تذکیر کیا کریں۔

دعوتی طریقۂ کار میں شہر اور دیہات کے احوال وظروف کو بھی مدنظر رکھ کر ترجیحات طے کرنی چاہیے۔

اسی طرح جو لوگ آن لائن دستیاب ہوں اور سوشل میڈیا پر وقت دیتے ہوں،ان کو انٹرنیٹ کے ذریعے آپ دعوت دے سکتے ہیں لیکن جو انٹرنیٹ استعمال نہیں کرتے ان کو دعوت دینے کیلئے زمین پر اترنا ہوگا،ان کیلئے فیلڈ ورک سب سے زیادہ موزوں ذریعہ دعوت ہے۔اللہ کے رسول ﷺ کی پوری دعوتی زندگی فیلڈ ورک سے عبارت ہے،آپ زمین پر اتر کر فردا فردا لوگوں سے ملتے تھے اور ان کو دعوت دیتے تھے،ائمۂ کرام کیلئے زمینی کام میں بے شمار مواقع موجود ہیں۔صرف مصلے اور منبر سے تبلیغ کا حق ادا نہیں ہوتا ہے،مسجد سے متصل دکانوں،گھروں اور بازاروں میں بھی دعوت کا وسیع مجال ہے۔آپ کا مصلی کئی افراد سے ملاقات وتعلقات کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے۔اس مصلی کے ذریعے اس کے بے دین افرادِ خانہ اور رشتہ داروں تک بآسانی پہونچا جاسکتا ہے،ان پر دعوت کا کام کیا جاسکتا ہے۔

مخاطبین کو دعوت دینے سے پہلے ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا بہت اہم ہے۔یہ جاننا کہ ان کی دینی معلومات کیا ہے؟ان کا مزاج کیا ہے؟ان کے نظریات کیا ہیں؟ ذہنی صلاحیت کیا ہے؟کس رسم و رواج میں پلے بڑھے ہیں؟ دلچسپی کیا ہے؟ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے مخاطب کیلئے سٹریٹیجی بنائی جائے۔ایک امام و داعی کیلئے یہ کوئی مشکل امر نہیں ہے،مسجد کے مصلیان سے پوری معلومات مل سکتی ہے۔

جدید وسائل کا استعمال:

ابلاغ وترسیل کے حیرت انگیز انقلاب میں دعوتی وسائل کے امکانات کا ایک وسیع وعریض میدان ہمارے سامنے ہے۔شر اور باطل پورے زور وقوت سے اس میدان پر مستولی ہیں۔اہل حق اپنے دعوتی مشن کو لے کر ابتدائی مرحلے میں ہیں۔موجودہ دور میں وسائل و ذرائع کا بہتر سے بہتر استعمال ہونا چاہیے جس میں کوئی دینی وشرعی قباحت نہ ہو۔لہٰذا انٹرنیٹ،سیٹلائٹ ٹی وی چینلز،سوشل ایپس،موبائل ایپس،پیغام رسانی کے ایپس وغیرہ دعوت وتبلیغ کیلئے وقت کی ضرورت ہیں۔

جلسے کانفرنسیں اجتماعی دعوت کی مروجہ شکل ہیں اس پر بھی غور وفکر ضروری ہے کہ دعوتی اجتماعات کیلئے کون سا وقت اور کون سی جگہ مناسب ہوگی؟اس کی تشہیر کیسے کی جائے گی؟موقع محل کے

اعتبار سے موضوعات کیا مناسب رہیں گے؟ دعوت کو پر کشش بنانے کیلئے شریعت کے دائرے میں رہ کر ترغیب کا طریقہ کیا ہو؟

تقریر ذریعہ دعوت:

دعوت دو طرح سے دی جاتی ہے، زبان اور قلم۔ ان کی بھی اپنی کچھ شکلیں ہیں۔ مثلاً زبانی شکلوں میں تقریر، ذاتی ملاقات، اور آن لائن ویڈیو کے ذریعے رابطہ ہیں۔ اسی طرح قلم کے حوالے سے کتاب، مضمون، پمفلٹ اور اشتہارات قابل ذکر ہیں۔ ائمہ وخطباء کا طریقہ دعوت زیادہ تر تقریر ہوتا ہے لہٰذا تقریر کے بارے میں چند گذارشات پیش کی جاتی ہیں۔

تقریر کا مواد اکٹھا کرنا اور مواد کو ایک خاص ترتیب ونظم سے منظم کرنا، پیش کرنے کا انداز معیاری ہو، تقریر کتاب وسنت کے دلائل سے مدلل ہو، خود اعتمادی اپنے اندر پیدا کرنا، تقریر کے بارے میں ممکنہ سوالات کو پہلے سے ذہن میں بٹھالیں، باڈی لینگوئج فطری ہو بلا وجہ جسم کو حرکت دینا اور تصنع برتنا شان خطابت کے منافی ہے، کوئی چیز تحقیق و معیار صحت سے گری نہ ہو، نظر مخاطبین کے چہروں پر رہے تاکہ مخاطب کو یہ احساس رہے کہ اسے اہمیت دی جارہی ہے، آغاز تقریر میں آواز دھیمی ہو لحظہ بہ لحظہ اس میں تیزی آنی چاہیے، گفتگو میں ربط ہو اور مرکزی خیال پر فوکس رہے، تقریر سے پہلے طے شدہ وقت کا خیال کریں، وقت کم ہونے کی صورت میں اختصار اور وقت بڑھ جانے کی صورت میں تفصیل کا ملکہ پیدا کریں، اچھے مقررین کو سنتے رہیں، اپنے فطری اسلوب میں بات کریں دوسروں کی نقالی سے اجتناب کریں، اپنے مخاطبین سے عزت واحترام سے بات کریں، کوئی منفی جملہ زبان سے ادا نہ کریں۔

تحریر ذریعۂ دعوت:

دعوت کا ایک طریقہ تحریر بھی ہے، اس کی شکل کتاب، پمفلٹ، مضمون، ای میل اور دیگر تحریری ذرائع ہیں، اس میں بھی میں وہی اصول و اخلاقیات مطلوب ہیں جو تقریر میں ہیں۔ مخاطبین کا تجزیہ اور ان کے حسب حال تحریر ہونی چاہیے، تحریر کا سائز موضوع کی مناسبت سے پیشگی طے ہو، مواد کی فراہمی اور اس میں ترتیب اور اختصار کا خیال رکھا جائے، تحریر کے حدود متعین کرلیجیے کہ کیا رکھنا ہے اور کیا نہیں رکھنا ہے، مواد کو ذیلی عنوانات میں تقسیم کرلیں، تحریر کے مرکزی خیال سے متعلق اہم نکات نوٹ کرلیں اور تفصیلات جمع کرلیں۔ قاری کے لئے عزت واحترام کے جذبات ملحوظ خاطر رکھئے۔ اسے حقارت سے مخاطب نہ کیجئے۔ خود کو اس کے خیر خواہ کے طور پر پیش کیجئے۔ کوشش کریں کوئی چیز معیار تحقیق وصحت گری نہ ہو، اس بات کا تجزیہ ضرور کیجئے کہ آپ اس تحریر سے جو مقصد حاصل کرنا چاہتے ہیں کیا وہ اس سے پورا ہوسکتا ہے؟

خلاصہ یہ ہیکہ دعوتی منصوبہ بندی اور فیلڈ ورک دعوت دین کیلئے بہت اہمیت رکھتی ہے، سیرت رسول ﷺ اور سیرت اسلاف میں اس کی نظریں موجود ہیں، دعوت وتبلیغ کے خاطر خواہ ثمرات و برکات کیلئے اس کا اہتمام بہت ضروری ہے۔ اللہ ہم سب کو بصیرت کے ساتھ دعوت وتبلیغ کا کام انجام دینے کی توفیق بخشے آمین۔

منہج دعوت

دعوت اِلی اللہ کے وسائل توقیفی ہیں اجتہادی نہیں!

● شیخ عنایت اللہ سنابلی مدنی (داعی وباحث صوبائی جمعیت اہل حدیث، ممبئی)

دعوت اِلی اللہ کے وسائل کے بارے میں بڑی باتیں ہو رہی ہیں کہ آیا وہ توقیفی ہیں کہ اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو کچھ ثابت ہے اس میں کسی کے لئے اضافہ کرنا جائز نہیں ہے، یا پھر اجتہادی واختیاری ہیں داعی کی صوابدید پر موقوف ہیں، وہ دعوت کی مطلوبہ غرض وغایت تک رسائی کے لئے اپنے زمان ومکان کے اعتبار سے جو بھی وسیلہ مناسب سمجھے اضافہ کرسکتا ہے۔

توقیفی اور اجتہادی کا معنیٰ:

توقیفی: اس حکم کو کہتے ہیں جو کتاب اللہ یا سنت رسول ﷺ کی کسی نص کے ذریعہ مشروع ہو۔

اجتہادی واستنباطی: اس حکم کو کہتے ہیں جو شریعت کے توقیفی حکم سے استنباط کرتے ہوئے صحابہ، تابعین اور مجتہدین کے اجتہاد کے ذریعہ مشروع ہو۔[دیکھئے: الاستدراک الأصولی دراسة تاصيلية تطبيقية، از دکتورہ ایمان بنت سالم قبوس، ص: ۴۵۸]

دعوت کے وسائل توقیفی یا اجتہادی؟

یقیناً وسائل دعوت کے توقیفی یا عدم توقیفی ہونے کا مسئلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں عصر حاضر کے علماء کرام کی دو جماعتوں کا اختلاف ہے۔

پہلا قول: وسائل دعوت اجتہادی ہیں توقیفی نہیں:

لہٰذا داعی کے لئے جائز ہے کہ مدعوین کی اصلاح اور ہدایت یا بی کا تحقق کرنے والے وسائل میں سے جو وسیلہ بھی چاہے منتخب کرے، اگر چہ وہ اُن وسائل دعوت میں سے کوئی وسیلہ نہ ہو جنہیں نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اختیار کیا ہے۔

اس قول کی دو تفسیروں میں سے کوئی ایک تفسیر ہے، اور دونوں کو علماء کی ایک ایک جماعت نے اختیار کیا ہے۔

پہلی تفسیر:

اس سے مراد یہ ہے کہ ہر طریقہ واسلوب جو مقصد یعنی بندوں کی اصلاح تک پہنچائے' داعی کے لئے اس طریقہ پر چلنا جائز ہے، اگر چہ شریعت میں اس کی ممانعت بھی آئی ہو، مگر جب تک وہ اس مصلحت کی تکمیل کرتا ہو، تو اس پر چلنا جائز ہے۔

اس قول کا حاصل یہ ہے کہ شریعت نے جس مصلحت کو ختم کردیا ہو اُس کا بھی اعتبار کیا جائے۔ یہ ایک باطل قول ہے کیونکہ اس کا اعتبار کرنے میں مصلحت کی بابت شریعت کی مخالفت ہوتی ہے۔ ”اور اس دروازہ کو کھولنا احکام شریعت کے تمام حدود اور نصوص کو بدل دینے کا سبب ہے“۔[المستصفی از غزالی: ۳۹/۱]

اس قول کی بنیاد صرف وہ یہودی قاعدہ ہے جو اس بات کا فیصلہ کرتا ہے کہ ”الغَايَةَ تُبَرِّرُ الوَسِيلَةَ“ (یعنی مقصد وسیلہ کو نیک بنا دیتا ہے)۔[یقیناً یہ ایک یہودی میکیاویلی قاعدہ ہے، اسے وضع کرنے والا اٹلی کا نیکولو میکیاویلی نامی (Niccolo Machiavelli) سیاسی فلسفی آدمی ہے، جس کی پیدائش ۱۴۶۹ء میں اور

موت ۱۵۲۷ء میں ہوئی، یہ (Le prince) (یعنی امیر) نامی مشہور کتاب سمیت کئی کتابوں کا مصنف ہے۔ یہ قاعدہ دھوکہ دہی اور تمام وسائل کے ذریعہ مقصد کے حصول کی کوشش پر مشتمل ہے خواہ وہ مشروع ہو یا غیر مشروع اور خواہ دین واخلاق کے کتنا ہی منافی ہو، اس طور پر یہ قاعدہ تمام منحرفوں، ظالموں اور روئے زمین میں فساد پھیلانوں کا آسان ہتھکنڈہ ہے۔]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَقَالَت طَّآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ ٱلْكِتَٰبِ ءَامِنُوا۟ بِٱلَّذِىٓ أُنزِلَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَجْهَ ٱلنَّهَارِ وَٱكْفُرُوٓا۟ ءَاخِرَهُۥ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٧٢﴾﴾ [آل عمران: ۷۲]۔

”اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا کہ جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ، تاکہ یہ لوگ بھی پلٹ جائیں“۔

اس کی ایک مثال:

دعوت الی اللہ کی راہ میں ناچنے، گانے، مسلمان کو تکلیف پہنچانے، اس پر جھوٹی تہمت لگانے، داڑھی مونڈنے اور ٹخنوں سے نیچے کپڑا لٹکانے وغیرہ کو جائز قرار دینا ہے۔ والعیاذ باللہ

دوسری تفسیر:

اس سے ہر وہ طریقہ واسلوب مراد ہے جو بندوں کی اصلاح کے مقصد تک پہنچائے چنانچہ داعی کے لئے اس پر چلنا درست ہے، بشرطیکہ شریعت میں اس کی ممانعت نہ آئی ہو۔

اس تفسیر کی روشنی میں وہ مصلحتیں مراد ہیں جن کے بارے میں خصوصی دلائل خاموش ہیں، نہ ان کے معتبر ہونے کی شہادت دیتے ہیں نہ غیر معتبر ہونے کی۔

البتہ یہ جان لینا ضروری ہے کہ جن مصلحتوں کے بارے میں خاص دلائل خاموش ہوں نہ معتبر ہونے کی شہادت دیتے ہوں نہ غیر معتبر ہونے کی، اس کی دو قسمیں ہیں:

پہلی قسم: یہ کہ اس معنیٰ کے موافق کوئی نص نہ آئی ہو۔ بایں معنیٰ کہ علت کی کوئی جنس نہ پائی جائے جو شریعت کے تصرفات میں معتبر ہو: چنانچہ ایسی صورت میں اُس کے ذریعہ علت بیان کرنا اور اُس پر حکم مبنی کرنا بالاتفاق درست نہ ہوگا۔ اور اس جیسی چیز اس کے قائل کی جانب سے شریعت سازی ہے لہٰذا اسے قبول کرنا ممکن نہیں ہے۔

دوسری قسم: یہ کہ وہ شریعت کے تصرفات کے موافق ہو، یعنی اس معنیٰ کی کوئی جنس ہو جس کا شریعت نے کسی معین دلیل کے بغیر مجموعی طور پر اعتبار کیا ہو، یہی عام استدلال ہے اسی کو مصالح مرسلہ کہا جاتا ہے۔ [الاعتصام از شاطبی: ۲/۶۱۱ - ۶۱۲، قدرے تصرف کے ساتھ۔]

اور جب یہ مصلحت شریعت کے تصرفات کے موافق ہوگی تو ہم دیکھیں گے کہ: کیا اسے کرنے کا تقاضہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں موجود تھا یا نہیں موجود تھا۔

”کیونکہ ہر معاملہ جس کے کرنے کا تقاضہ نبی کریم ﷺ کے عہد میں موجود ہو- اگر وہ مصلحت بھی ہو- مگر آپ ﷺ نے نہ کیا ہو: تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ مصلحت نہیں ہے۔

رہا وہ مسئلہ جس کا تقاضہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد پیدا ہوا- تو جس میں خالق سبحانہ وتعالیٰ کی نافرمانی نہ ہو- وہ مصلحت ہو سکتی ہے“۔ [اقتضاء الصراط المستقیم، از شیخ الاسلام ابن تیمیہ: ۲/۵۹۵]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بدعات اور مصالح مرسلہ میں تفریق کے ضابطہ کی بابت یہی بات ثابت فرمائی ہے۔

جب یہ بات ثابت ہوگئی تو سوال یہ ہے کہ: **کیا شریعت اسلامیہ بندوں کی کسی مصلحت کو نظر انداز کر سکتی ہے؟**

اس کے جواب میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مصالح مرسلہ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے اور اس میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”وَالْقَوْلُ بِالْمَصَالِحِ الْمُرْسَلَةِ يُشْرَعُ مِنْ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ غَالِبًا“.

”مصالح مرسلہ کی بات کہنا عام طور پر دین میں ایسی بات مشروع کرنے کا سبب بنتا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی ہے“۔

مزید فرماتے ہیں:

”وَالْقَوْلُ الْجَامِعُ: أَنَّ الشَّرِيعَةَ لَا تُهْمِلُ مَصْلَحَةً قَطُّ، بَلْ اللَّهُ تَعَالَى قَدْ أَكْمَلَ لَنَا الدِّينَ وَأَتَمَّ النِّعْمَةَ، فَمَا مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُ إلَى الْجَنَّةِ إلَّا وَقَدْ حَدَّثَنَا بِهِ النَّبِيُّ ﷺ، وَتَرَكَنَا عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلِهَا كَنَهَارِهَا لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدَهُ إلَّا هَالِكٌ. لَكِنْ مَا اعْتَقَدَهُ الْعَقْلُ مَصْلَحَةً وَإِنْ كَانَ الشَّرْعُ لَمْ يَرِدْ بِهِ فَأَحَدُ الْأَمْرَيْنِ لَازِمٌ لَهُ: إمَّا أَنَّ الشَّرْعَ دَلَّ عَلَيْهِ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَعْلَمْ هَذَا النَّاظِرُ، أَوْ أَنَّهُ لَيْسَ بِمَصْلَحَةِ وَإِنْ اعْتَقَدَهُ مَصْلَحَةً؛ لِأَنَّ الْمَصْلَحَةَ هِيَ الْمَنْفَعَةُ الْحَاصِلَةُ أَوْ الْغَالِبَةُ. وَكَثِيرًا مَا يَتَوَهَّمُ النَّاسُ أَنَّ الشَّيْءَ يَنْفَعُ فِي الدِّينِ وَالدُّنْيَا، وَيَكُونُ فِيهِ مَنْفَعَةٌ مَرْجُوحَةٌ بِالْمَضَرَّةِ“.[مجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۱۱/۳۴۴]

جامع بات یہ ہے: کہ شریعت اسلامیہ کبھی کسی مصلحت کو نظر انداز نہیں کرتی، بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دین مکمل کر دیا ہے اور نعمت تمام کر دی ہے، چنانچہ جنت سے قریب کرنے والی جو بھی چیز ہے نبی کریم ﷺ نے ہمیں اُسے ضرور بیان کر دیا ہے، اور ہمیں روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے جس کی رات دن کی طرح روشن ہے اس کے بعد اس سے وہی شخص گمراہ ہوگا جو ہلاک ہونے والا ہے۔

لیکن عقل جس چیز کو مصلحت سمجھے اگر چہ شریعت میں وہ بات نہ آئی ہو، تو اس میں دو میں سے کوئی ایک بات لازم ہوگی:

۱۔ یا تو شریعت اُس پر دلالت کناں ہوگی بایں طور کہ اس کے دیکھنے والے کو اس کا علم نہ ہوا ہوگا۔

۲۔ یا تو وہ چیز مصلحت ہی نہ ہوگی اگر چہ عقل اُسے مصلحت سمجھ رہی ہو؛ کیونکہ مصلحت: حاصل ہونے والی یا غالب منفعت کا نام ہے۔

اور زیادہ تر لوگ سمجھتے ہیں کہ فلاں چیز دین اور دنیا میں نفع بخش ہے حالانکہ اس میں ایسا نفع ہوتا ہے جس میں نقصان غالب ہوتا ہے۔

البتہ یہ چیز ”مصالح مرسلہ“ کے انکار کی متقاضی نہیں ہے، بلکہ مصالح مرسلہ برحق ہے، لیکن اس کی طرف اسی وقت جایا جائے گا جب اُس کے مطلوبہ ضوابط پائے جائیں جن کی اہل علم نے صراحت فرمائی ہے، اور جب غور کرنے والا ان ضوابط کی پابندی کرے گا تو دیکھے گا کہ مصلحتِ مرسلہ شرعی دلائل ہی کی طرف لوٹتی ہے“۔[الموافقات، از شاطبی: ۳/۴۸]

مثلاً: قرآن کریم کے جمع و تدوین پر اللہ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے:

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ ۝١٧﴾ [القیامۃ:۱۷]

اس کا جمع کرنا اور (آپ کی زبان سے) پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔

دوسرا قول: وسائل دعوت توقیفی ہیں اجتہادی نہیں:

یعنی کسی آدمی کیلئے ان میں کوئی ایسی چیز مشروع کرنا حلال نہیں جس کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے اجازت نہیں دی ہے۔

یہی قول برحق ہے جس کی نصوص شریعت گواہی دیتے ہیں اور اسی پر سلف صالحین رضی اللہ عنہم اجمعین کا عمل بھی رہا ہے۔

دعوت الی اللہ عبادت ہے:

اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا ایک عظیم عبادت ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے، اُس پر ابھارا ہے اور دعوت دینے والوں کو سب سے اچھی بات کہنے والا اور سب سے افضل قرار دیا ہے۔

چنانچہ ارشاد باری ہے:

﴿وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّن دَعَآ إِلَى ٱللَّهِ وَعَمِلَ صَٰلِحًا وَقَالَ إِنَّنِى مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٣﴾﴾ [فصلت:۳۳]

”اور اس سے زیادہ اچھی بات والا کون ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں“۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اس سے زیادہ اچھی بات والا کوئی نہیں۔ کیونکہ وہ انبیاء کے فرائض منصبی اور مشن میں اُن کا ایک وارث ہے، کیونکہ انبیاء کا مشن اللہ کی طرف بلانا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی آخری کڑی اور اُن کے امام (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے فرمایا:

﴿قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى وَسُبْحَٰنَ ٱللَّهِ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿١٠٨﴾﴾ [یوسف:۱۰۸]

”آپ کہہ دیجئے میری راہ یہی ہے۔ میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ۔ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں نہیں“۔

چنانچہ آیت کریمہ میں ﴿وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى﴾ (اور میرے متبعین) ﴿أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ﴾ (میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں) کی ضمیر پر عطف ہے، لہٰذا اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متبعین ہی اللہ کے داعی ہیں۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

”يقول الله تعالى لرسوله ﷺ آمِرًا لَهُ أَنْ يُخْبِرَ النَّاسَ: أَنَّ هَذِهِ سَبِيلُهُ، أَيْ طَرِيقُهُ وَمَسْلَكُهُ وَسُنَّتُهُ، وَهِيَ الدَّعْوَةُ إِلَى شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، يَدْعُو إِلَى اللَّهِ بِهَا عَلَى بَصِيرَةٍ مِنْ ذَلِكَ، وَيَقِينٍ وَبُرْهَانٍ، هُوَ وَكُلُّ مَنِ اتَّبَعَهُ، يَدْعُو إِلَى مَا دَعَا إِلَيْهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ على بَصِيرَةٍ وَيَقِينٍ وَبُرْهَانٍ شَرْعِيٍّ وَعَقْلِيٍّ“. [تفسیر ابن کثیر:۲/۴۹۶]

اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیتے ہوئے فرما رہا ہے کہ آپ لوگوں کو بتلا دیں کہ: آپ کا راستہ، شاہراہ اور سنت یہی ہے، یعنی اس بات کی گواہی کی دعوت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں، وہ تنہا ہے اُس کا کوئی شریک نہیں، اس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اللہ کی طرف علم وبصیرت، یقین اور دلیل و برہان کے ساتھ بلا رہے ہیں، اور آپ کے سارے متبعین بھی علم وبصیرت، یقین اور شرعی و عقلی دلیل و برہان کے ساتھ اسی بات کی طرف بلا رہے ہیں جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت دی ہے۔

ان جیسی آیات کی بنیاد پر علماء کرام رحمہم اللہ نے صراحت فرمائی ہے کہ دعوت الی اللہ فرض کفایہ ہے، ہر دور اور ہر جگہ مسلمانوں کی ایک جماعت پر اس کی ادائیگی واجب ہے، اگر ان میں سے کوئی بھی اسے ادا نہیں کرے گا تو سب کے سب گنہگار

ہوں گے۔[دیکھئے: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۵/ ۱۶۵]

دعوت کے اس فریضہ کی دائیگی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ نے علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”وَاللَّهِ لَأَنْ يَهْدِيَ اللَّهُ بِكَ رَجُلًا وَاحِداً خَيْرٌ لَكَ مِنْ أَنْ يَكُونَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ“.[صحیح بخاری: ۳۰۰۹، وصحیح مسلم:۲۴۰۶]

”اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک شخص کو ہدایت دیدے، تمہارے لئے اس سے کہیں بہتر ہے کہ تمہیں سرخ اونٹ مل جائیں“۔

حُمْرُ النَّعَمِ: سرخ اونٹوں کو کہتے ہیں، یہ عربوں کا سب سے قیمتی اور اعلیٰ سرمایہ ہوا کرتا تھا۔[دیکھئے: صحیح مسلم بشرح نووی: ۱۵/ ۱۷۸]

اور ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ“.[صحیح مسلم:۱۸۹۳]

”جو کسی خیر وبھلائی کی رہنمائی کرے گا اُسے اُس پر عمل کرنے والے جیسا ثواب ملے گا“۔

عبادت کی قبولیت کی شرطیں:

اب جب دعوت اِلی اللہ عبادت ہے اور انبیاء اور ان کے سچے متبعین کا مشن ہے تو اس کی قبولیت کے لئے دو بنیادی شرطیں ہیں:

پہلی شرط: اللہ کے لئے اخلاص۔

دوسری شرط: رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور پیروی۔

اور ان دونوں شرطوں کو اکٹھا کرنے والا عمل ”عمل صالح“ ہے جس کے بارے میں اللہ عزوجل کا ارشاد ہے:

﴿فَمَن كَانَ يَرْجُواْ لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا ﴿١١٠﴾﴾[الکہف:۱۱۰]

”تو جسے بھی اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو اسے چاہئے کہ نیک اعمال کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ کرے“۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرمان باری تعالیٰ:

﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ [الملک: ۲]۔(تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے ”اچھے کام“ کون کرتا ہے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”أَخْلَصُهُ وَأَصْوَبُهُ“، یعنی سب سے خالص اور نہایت درست کام۔

تو لوگوں نے اُن سے پوچھا: اے ابوعلی سب سے خالص اور نہایت درست کیا ہے؟ فرمایا:

”إِنَّ الْعَمَلَ إِذَا كَانَ خَالِصًا وَلَمْ يَكُنْ صَوَابًا لَمْ يُقْبَلْ، وَإِذَا كَانَ صَوَابًا وَلَمْ يَكُنْ خَالِصًا لَمْ يُقْبَلْ، حَتَّى يَكُونَ خَالِصًا صَوَابًا“.[دیکھئے: حلیۃ الأولیاء وطبقات الأصفیاء:۸/ ۹۵، ومجموع فتاویٰ ابن تیمیہ:۱/ ۳۳۳، و۳/ ۱۲۴، و۷/ ۴۹۵، ومدارج السالکین، از ابن القیم:۱/ ۱۰۵، و ۲/ ۸۸، ومفتاح دار السعادۃ، از ابن القیم ۱/ ۸۲]

”یقیناً جب عمل خالص ہو مگر درست نہ ہو تو قبول نہیں ہوگا، اور جب درست ہو خالص نہ ہو تو قبول نہیں ہوگا، تا آنکہ خالص اور درست (دونوں) ہو“۔

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”بندہ ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ﴾ [الفاتحہ:۵]۔”یعنی عبادت“ کو حقیقی طور پر انجام دینے والا نہیں ہوسکتا جب تک کہ دو عظیم بنیادیں نہ پائی جائیں:

اول: رسول اللہ ﷺ کی اتباع۔

دوم: معبودِ حقیقی کے لئے اخلاص۔ [مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین، ۱/۱۰۴]

اسی بنا پر سلف صالحین رضوان اللہ علیہم أجمعین نیت اور عمل کی اصلاح کے سلسلہ میں بڑے حریص اور فکر مند رہا کرتے تھے؛ اس ڈر سے کہ کہیں ان دو بڑی خوفناک چیزوں میں نہ پڑ جائیں۔

چنانچہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"إِنَّا نَقْتَدِي وَلَا نَبْتَدِي، وَنَتَّبِعُ وَلَا نَبْتَدِعُ، وَلَنْ نَضِلَّ مَا تَمَسَّكْنَا بِالْأَثَرِ"۔[شرح أصول اعتقاد أہل السنۃ والجماعۃ: ۱/۹۶، نمبر: ۱۰۶]

"ہم نقش قدم پر چلتے ہیں شروع میں نہیں رہتے، اور اتباع کرتے ہیں نئی بات نہیں نکالتے، اور ہم جب تک حدیث واثر پر مضبوطی سے قائم رہیں گے ہرگز گمراہ نہ ہوں گے"۔

نیز علی اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ان دونوں نے فرمایا:

"لَا يَنْفَعُ قَوْلٌ إِلَّا بِعَمَلٍ، وَلَا عَمَلٌ إِلَّا بِقَوْلٍ، وَلَا قَوْلٌ وَعَمَلٌ إِلَّا بِنِيَّةٍ، وَلَا نِيَّةٌ إِلَّا بِمُوَافَقَةِ السُّنَّةِ"۔[دیکھئے: "الشریعۃ" از آجری (ص: ۱۳۱) اور اس سے قریب الفاظ میں امام لالکائی نے (۱/۵۷) حسن اور سعید بن جبیر سے روایت کیا ہے]

"کوئی قول بلا عمل نفع نہیں دیتا، کوئی عمل بلا قول نفع نہیں دیتا، اور کوئی قول وعمل بلا نیت نفع نہیں دیتے، اور کوئی نیت سنت کی موافقت کے بغیر نفع نہیں دیتی"۔

کمال شریعت اور کتاب وسنت کا تمسک:

ہمارا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ شریعت اسلامیہ مکمل ہے، اس میں کوئی کمی یا تاقیامت آنے والے مسئلہ کی بابت الجھن کی کوئی گنجائش نہیں ہے، جیسا کہ: ﴿ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ﴾ [المائدۃ: ۳] میں کھلا اعلان ہو چکا ہے۔

نیز اللہ کا ارشاد ہے:

﴿مَّا فَرَّطۡنَا فِي ٱلۡكِتَٰبِ مِن شَيۡءٖ﴾ [الأنعام: ۳۸]

"ہم نے دفتر میں کوئی چیز نہیں چھوڑی"۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَكُلَّ شَيۡءٖ فَصَّلۡنَٰهُ تَفۡصِيلٗا ١٢﴾ [الاسراء: ۱۲]

"اور ہر ہر چیز کو ہم نے خوب تفصیل سے بیان فرما دیا ہے"۔

نیز ارشاد ہے:

﴿أَفَغَيۡرَ ٱللَّهِ أَبۡتَغِي حَكَمٗا وَهُوَ ٱلَّذِيٓ أَنزَلَ إِلَيۡكُمُ ٱلۡكِتَٰبَ مُفَصَّلٗاۚ﴾ [الأنعام: ۱۱۴]

"تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے"۔

شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"ومثل هذا في القرآن كثير، مما يبين الله فيه أن كتابه مبين للدين كله، موضح لسبيل الهدى، كاف لمن اتبعه، لا يحتاج معه إلى غيره، يجب اتباعه دون اتباع غيره من السبل"۔

[درء تعارض العقل والنقل، از امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ: ۱۰/۳۰۴]

"قرآن کریم میں ان جیسی آیتیں بکثرت ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اُس کی کتاب پورے دین کو بیان کرنے والی ہے، راہ ہدایت کی وضاحت کرنے والی ہے، اپنے پیروکاروں کے لئے کافی ہے، اُس کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز

کی حاجت نہیں، اسی کی اتباع کرنا واجب ہے اُس کے علاوہ دیگر راستوں کی نہیں''۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''أَيُّهَا النَّاسُ لَيْسَ مِنْ شَيْءٍ يُقَرِّبُكُمْ إِلَى الْجَنَّةِ، وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ النَّارِ، إلا قَدْ أَمَرْتُكُمْ بِهِ، وَلَيْسَ شَيْءٌ يُقَرِّبُكُمْ مِنَ النَّارِ، وَيُبَاعِدُكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إلا قَدْ نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ...''.[مستدرک حاکم، حدیث: ۲۱۳۶۔ دیکھئے: الصحیحۃ، حدیث:۲۸۶۶]

''اے لوگو! یقیناً کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو تمہیں جنت سے قریب کرے اور جہنم سے دور کرے مگر میں نے تمہیں اس کا حکم دے دیا ہے، اور کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو تمہیں جہنم سے قریب کرے اور جنت سے دور کرے مگر میں نے تمہیں اس سے منع کر دیا ہے...''الحدیث۔

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''أَلَا وَإِنِّي تَارِكٌ فِيكُمْ ثَقَلَيْنِ: أَحَدُهُمَا كِتَابُ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ، هُوَ حَبْلُ اللهِ، مَنِ اتَّبَعَهُ كَانَ عَلَى الْهُدَى، وَمَنْ تَرَكَهُ كَانَ عَلَى ضَلَالَةٍ''.[صحیح مسلم، حدیث: ۲۴۰۸]

''سن لو! یقیناً میں تمہارے درمیان دو عظیم چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: ان دونوں میں سے ایک اللہ عزوجل کی کتاب ہے جو اللہ کی رسی ہے، جو اس کی پیروی کرے گا وہ ہدایت پر ہوگا اور جو اُسے چھوڑ دے گا گمراہی پر ہوگا''۔

نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تَرَكْتُ فِيكُمْ شَيْئَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُمَا [إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا]: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّتِي، وَلَنْ يَتفَرَّقَا حَتَّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ''.[علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے، دیکھئے: صحیح الجامع: ۲۹۳۷، ۳۲۳۲]

''میں نے تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑی ہے اگر تم انہیں مضبوطی پکڑے رہو گے تو ان کے ہوتے ہوئے ہرگز گمراہ نہ ہو گے: اللہ کی کتاب اور میری سنت، اور یہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر آجائیں گے''۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

''...دنیا کا ہر شر و فساد جو بندے کو لاحق ہوتا ہے اس کا سبب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت سے جہالت و لاعلمی ہے، اور یقیناً بندوں کی دنیوی و اخروی سعادت رسالت کی پیروی میں ہے؛ رسالت بندوں کے لئے نہایت ضروری ہے، اس کے بغیر ان کے پاس کوئی چارۂ کار نہیں، انہیں رسالت کی حاجت وضرورت ہر چیز کی ضرورت وحاجت سے بڑھ کر ہے، رسالت دنیا کی روح، اس کا نور اور اس کی زندگی ہے، بنا بریں جب روح، زندگی اور روشنی ہی نہ ہو تو دنیا میں کونسی بھلائی ہوگی؟!!

دنیا تاریک اور لعنت کے گھیرے میں ہے سوائے اس کے جس پر آفتابِ رسالت طلوع ہوا۔ اس طرح رسالت کے بغیر بندہ بھی تاریکی میں ہے بلکہ مردوں میں سے ہے۔[مجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۱۹/۹۳]

ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''إِنَّ اللَّهَ يُغْنِيكُمْ - أَوْ نَعَشَكُمْ - بِالإِسْلَامِ وَبِمُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم''.[صحیح بخاری: ۹/۹۱، حدیث: ۷۲۷۱]

''بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں بے نیاز کرتا ہے- یا تمہیں پستی سے نکال کر بلند کیا ہے- اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعہ''۔

اور امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''كَانَ مَنْ مَضَى مِنْ عُلَمَائِنَا يَقُولُونَ: الِاعْتِصَامُ بِالسُّنَّةِ نَجَاةٌ''.[اسے امام دارمی نے اپنی سنن: ۱/۲۳۰، اثر: ۹۷ میں، علامہ لالکائی نے شرح اصول اعتقاد أہل السنۃ: ۱/۱۰۶، اثر: ۱۳۶، ۱۳۷ میں اور علامہ آجری نے الشریعۃ: ۳/۱۱۴۵، اثر: ۷۱۹ میں روایت کیا ہے]

''ہمارے علماء سلف کہا کرتے تھے: سنت کو مضبوطی سے پکڑنا نجات ہے''۔

اور امام مالک رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا:

''السُّنَّةُ سَفِينَةُ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ''.[دیکھئے: ذم الکلام وأھلہ، از علامہ ابو اسماعیل الہروی: ۵/۸۱، اثر: ۸۷۲، ومجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۴/۵۷]

سنت نوح علیہ السلام کی کشتی ہے، جو اس میں سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہا غرقاب ہو گیا۔

شریعت کی جامعیت اور اس میں ہر چیز کی رہنمائی:

ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں:

''لَقَدْ تَرَكَنَا مُحَمَّدٌ ﷺ وَمَا يُحَرِّكُ طَائِرٌ جَنَاحَيْهِ فِي السَّمَاءِ إِلَّا أَذْكَرَنَا مِنْهُ عِلْمًا، مَا بَقِيَ شَيْءٌ يُقَرِّبُ مِنَ الْجَنَّةِ، وَيُبَاعِدُ مِنَ النَّارِ، إِلَّا وَقَدْ بُيِّنَ لَكُمْ''.[مسند احمد، حدیث: ۲۱۳۶۱ محققین نے اسے حسن قرار دیا ہے، نیز دیکھئے: ۲۱۴۳۹، ۲۱۴۴۰، ومعجم کبیر طبرانی، حدیث: ۱۶۴۷، دیکھئے: الصحیحۃ، حدیث: ۱۸۰۳]

''یقیناً محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اس حال میں چھوڑا کہ اگر آسمان میں کوئی پرندہ اپنے دونوں بازوؤں کو حرکت دیتا رہا ہو تو اس کے بارے میں بھی ہمیں علم عطا فرمایا۔ جنت سے قریب کرنے والی اور جہنم سے دور کرنے والی کوئی چیز باقی نہ رہی مگر یہ کہ اُسے تمہارے لئے کھول کر بیان کر دیا گیا ہے''۔

عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا، لَا يَزِيغُ عَنْهَا بَعْدِي إِلَّا هَالِكٌ''.[دیکھئے: سنن ابن ماجہ، حدیث: ۴۳، علامہ البانی نے اسے الصحیحۃ، حدیث: ۹۳۷، صحیح الجامع، حدیث: ۴۳۶۹]

''یقیناً میں نے تمہیں روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے جس کی رات اُس کے دن کی طرح ہے، میرے بعد اُس سے صرف وہی مائل ہو گا جو ہلاک ہونے والا ہے''۔

نیز ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وَأَيْمُ اللَّهِ، لَقَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى مِثْلِ الْبَيْضَاءِ، لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ''۔[دیکھئے: سنن ابن ماجہ، حدیث: ۵، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح الجامع، حدیث: ۹، والصحیحۃ، حدیث: ۶۸۸ میں صحیح قرار دیا ہے]

''اللہ کی قسم! میں نے تمہیں بالکل روشن راستے پر چھوڑا ہے، جس کی رات اور دن یکساں ہیں''۔

بنا بریں ہم یہ بات قطعی طور پر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو دعوت کے وسائل بتایا ہے، کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو قضاء حاجت کے آداب وغیرہ تو بتلائیں مگر وسائل دعوت چھوڑ دیں جس سے بغیر قیامِ اسلام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا؟!

اس لئے آپ ﷺ کا بیان ہی وہ شرعی طریقہ ہے جس کے ذریعہ گم کردہ راہ کی رہنمائی کی جائے گی اور بھٹکے ہوئے کو راہ دکھائی جائے گی۔ نیز اُسی طریقے پر آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے سچے پیروکار گامزن رہے، اور اس کی خلاف ورزی کرنے اور اس میں نئے نئے طریقے ایجاد کرنے والے داعیوں پر سخت نکیر فرمائی۔

لہٰذا ان شرعی وسائل اور سلفی طریقوں کے علاوہ اصلاح معاشرہ کا کوئی راستہ نہیں ہے، امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

”لَنْ يَصْلُحَ آخرُ هَذهِ الأمةِ إلاَّ بما صَلُحَ بهِ أوَّلها“.[دیکھئے: التمہید از ابن عبد البر: ۱۰/۲۳، والشفاء، از قاضی عیاض: ۸۸/۲، والاعتصام، از شاطبی: ۳۴۹/۱، ومجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۳۷۵/۲۰، و۲۷/ ۳۸۴، ومنہاج السنۃ النبویۃ، از امام ابن تیمیہ: ۱/ ۴۴۴]

”اس امت کے آخر کی سدھار ہرگز نہیں ہوسکتی مگر اُسی طریقے سے جس سے اس کے اول کی سدھار ہوئی تھی“۔

اس لئے شرعی وسائل میں اضافہ کرنا شریعت میں زیادتی اور مومنوں کے راستے سے خروج ہے، جبکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

”مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ“.[صحیح بخاری، حدیث: ۲۶۹۷، وصحیح مسلم، حدیث: ۱۷۱۸]

”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات نکالی جو اس میں سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے“۔

غیر شرعی وسائل دعوت پر سلف صالحین کی نکیر:

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین نے دعوت اِلی اللہ کے لئے بعض غیر شرعی وسائل کا استعمال کرنے پر نکیر فرمائی باوجودیکہ اس میں نفع تھا؛ وجہ صرف یہ تھی یہ امور نبی کریم ﷺ کی دعوت کے وسائل میں سے نہ تھے بلکہ نبی کریم ﷺ کے بعد ایجاد کئے گئے تھے بطور مثال دو غیر شرعی وسائل ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ قصہ گوئی:

اسے سلف نے بدعت قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بسند حسن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں:

”لَمْ يَكُنِ الْقَصَصُ فِي زَمَنِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَلَا زَمَنِ أَبِي بَكْرٍ، وَلَا زَمَنِ عُمَرَ“.[ابن ماجہ، حدیث: ۳۷۵۴، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح موارد الظمآن (حدیث: ۹۷) میں صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھئے: التعلیق علی ابن ماجہ: ۴۱۰/۲]

”قصہ گوئی رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھی نہ ابو بکر صدیق کے زمانے میں نہ ہی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے زمانے میں“۔

امام احمد اور طبرانی نے سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا:

”لَمْ يَكُنْ يُقَصُّ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَلَا أَبِي بَكْرٍ“.[دیکھئے: مسند احمد، حدیث: ۱۵۷۱۵، ومسند الشامیین طبرانی، حدیث: ۱۷۰۰]

”رسول اللہ ﷺ کے عہد میں قصہ گوئی کی جاتی تھی نہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں“۔

عمرو بن زرارہ سے روایت کیا ہے بیان کرتے ہیں:

”وَقَفَ عَلَيَّ عَبْدُ اللهِ وَأَنَا أَقُصُّ فِي الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: يَا عَمْرُو لَقَدْ ابْتَدَعْتُمْ بِدْعَةَ ضَلَالَةٍ، أَوَ إِنَّكُمْ لَأَهْدَى مِنْ مُحَمَّدٍ ﷺ وَأَصْحَابِهِ، وَلَقَدْ رَأَيْتُهُمْ تَفَرَّقُوا عَنِّي حَتَّى رَأَيْتُ مَكَانِي مَا فِيهِ

أَحَدٌ". [معجم کبیر طبرانی، (۸۶۳۷)، علامہ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح الترغیب، حدیث: ۶۰، میں موقوفاً صحیح لغیرہ قرار دیا ہے]

"عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ میرے پاس آ کھڑے ہوئے درانحالیکہ میں مسجد میں قصہ بیان کر رہا تھا، تو آپ نے فرمایا: اے عمرو! یقیناً تم لوگوں نے گمراہی کی بدعت ایجاد کر لی ہے، یا تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو! یقیناً میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ میرے پاس سے بھاگ کھڑے ہوئے جہاں میں تھا وہاں مجھے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا"۔

۲۔ سماع مجرد:

دلوں کی اصلاح، گمراہوں کی ہدایت اور اللہ کے ذکر سے اعراض کرنے والوں کو خیر و نیکی کی طرف راغب کرنے کی غرض سے بعض اشعار و قصائد کو خوش الحانی اور ترنم سے پڑھنا سماع مجرد کہلاتا ہے۔

اسے بھی علماء سلف نے بدعت قرار دیا ہے:

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"میں نے بغداد میں ایک چیز چھوڑی ہے جسے زنادقہ (بے دینوں) نے ایجاد کیا ہے، اسے وہ تغبیر (گانے کی اس قسم کا نام) کہتے ہیں۔ اس کے ذریعہ لوگوں کو قرآن کریم سے روکتے ہیں"۔

اور اس بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: "یہ بدعت ہے میں اسے ناپسند کرتا ہوں"۔ ان سے کہا گیا: اس سے دل میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے۔ **تو انہوں نے فرمایا:** "ان کے ساتھ نہ بیٹھو"۔ اُن سے پوچھا گیا: کیا ان سے قطع تعلق کر لیا جائے؟ تو فرمایا: نہیں، یہ ساری باتیں انہیں پہنچا دی جائیں۔

چنانچہ بتلایا کہ یہ بدعت ہے اسے قرون ثلاثہ مشہود لھا بالخیر کے لوگوں نے نہیں کیا ہے، نہ حجاز میں، نہ شام میں، نہ یمن میں، نہ مصر میں، نہ عراق میں، نہ خراسان میں۔ [دونوں اقوال ملاحظہ فرمائیں: مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ: ۱۱/۵۹۱-۵۹۵]

یہی نہیں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترنم اور راگ راگنی کی مذمت فرمائی ہے:

"قَالَ عَبَسٌ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: "بَادِرُوا بِالْمَوْتِ سِتًّا: إِمْرَةَ السُّفَهَاءِ، وَكَثْرَةَ الشُّرَطِ، وَبَيْعَ الْحُكْمِ، وَاسْتِخْفَافًا بِالدَّمِ، وَقَطِيعَةَ الرَّحِمِ، وَنَشْوًا يَتَّخِذُونَ الْقُرْآنَ مَزَامِيرَ يُقَدِّمُونَهُ يُغَنِّيهِمْ، وَإِنْ كَانَ أَقَلَّ مِنْهُمْ فِقْهًا". [مسند احمد: ۱۶۰۴۰، صحیح]

"عبس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: چھ چیزوں سے موت کی طرف سبقت کرو بیوقوفوں کی حکومت، (دروازوں پر) پولیس اور سیکورٹی والوں کی کثرت، فیصلہ کی فروخت، قتل کو معمولی سمجھنا، رشتہ ناطہ کاٹنا اور ایسی نئی نسل کا ظہور جو قرآن کریم کو موسیقی کی طرح گا کر پڑھیں گے لوگ انہیں اس لئے آگے بڑھائیں گے تاکہ وہ ان کے سامنے گائیں، گو کہ اس میں علم و فقہ دوسروں سے بھی زیادہ کم ہو"۔

آج ہم دعوتی حلقوں میں یہ منظر دیکھ رہے ہیں کہ ترنم اور راگ راگنی کا ماحول بڑھتا جا رہا ہے! واللہ المستعان۔

موجودہ دور میں غیر شرعی وسائل دعوت کے بعض نمونے:

موجودہ دور میں ایسے غیر شرعی وسائل کی کثرت ہوتی جا رہی ہے، لوگوں نے دعوت کے ایسے وسائل بنا لئے ہیں جو سراسر کتاب و سنت کے خلاف ہیں۔

چنانچہ کسی نے سماع (قوالی) کو کسی نے ترنم اور راگ راگنی

کی کشش کو،کسی نے رقص وسرود کو،کسی نے بے سروپا قصے کہانیوں اور خواب و منامات کو،کسی نے کھیل کود اور تفریح کو،کسی نے تمثیلیات،ڈراموں،فلموں اور مکالموں کو،کسی نے اناشید،گانے اور سونگ کو،کسی نے ایکٹنگ اور اداکاری کو،کسی نے فٹ بال وغیرہ کھیلوں کو،کسی نے کھانے پینے کے پرتکلف دسترخوانوں کو،کسی نے آرٹ اور فن کو،کسی نے تفریحی ٹورس کو اور بعض لوگوں نے رقیہ اور جھاڑ پھونک کے پیشے کو دعوتی وسیلہ بنا کر پیش کرنا شروع کر دیا ہے! فاللہ المستعان۔

۱۔ اداکاری:

چنانچہ حسن ترابی سوڈانی اخوانی اپنی کتاب ’’الدین والفن‘‘ میں کہتا ہے:

’’..فن (یعنی: آرٹ،کلا،مثلاً گلوکاری،میوزک،رقص وسرود، ڈراموں،فلموں وغیرہ) کا بھی دین سے **ایک مضبوط تعلق** ہے،اور دین اور فن کے لئے **ممکن** ہے کہ وہ آگے بڑھ کر فنکار کو ایمان کی رہنمائی کریں اور اس کا ایمان اس کے دل میں مزید فنکاری کا ہنر ڈال دے‘‘۔[دیکھئے:’’الدین والفن‘‘،ص:۹۱،پہلا ایڈیشن،سنہ ۱۴۰۸ھ]

نیز ترابی مزید جسارت کرتے ہوئے کہتا ہے:

’’..جب لوگ حجاز میں اسلامی اداروں اور شعبوں کے قیام کے بعد فارغ ہوئے اور ان کی زندگی اور زندگی کے اسباب ووسائل میں کشادگی آئی تو گانے،موسیقی اور اس کے آلات کا پھیلاؤ اور چلن عام ہوا، **اور سماع (گانا وغیرہ) بہت سارے تابعین اور علماء سے بھی مروی ہے**‘‘۔

۲۔ ناچ گانا:

نیز کہتا ہے:

’’نگارش میں کوئی حرج نہیں؛ خواہ اشخاص،اشیاء اور مناظر کی تصویرکشی ہو یا ڈرامہ سازی۔اور اچھے خوبصورت کلام میں بھی کوئی حرج نہیں: خواہ شعری کلام ہو،یا جنگی و کارزاری،یا ڈرامائی، یا غنائی (گانے وغیرہ)...اسی طرح سنے یا دیکھے جانے والے فن میں بھی کوئی حرج نہیں: خواہ گانا ہو،یا ناچ،یا میوزک؛ اِلا یہ کہ وہ ممنوع اخلاق کا پیش خیمہ ہو۔

اسی طرح بامقصد فن اداکاری میں بھی کوئی گناہ نہیں؛ خواہ ڈرامہ گاہ میں ہونے والے ڈرامے ہوں،یا رابطہ عامہ کے مقاصد سے کئے جائیں؛ جیسے سینما اور ٹیلیویژن وغیرہ‘‘۔[دیکھئے:’’الدین والفن‘‘،ص:۹۱،پہلا ایڈیشن،سنہ ۱۴۰۸ھ]

اتنا ہی نہیں بلکہ حسن ترابی مزید جرأت کرتے ہوئے (ص: ۱۱۰) پر کہتا ہے:

’’اللہ کی عبادت کے لئے فن (آرٹ: مثلاً گلوکاری،میوزک، رقص وسرود،ڈرامے،فلمیں وغیرہ) اختیار کرنا ناگزیر ہے؛ کیونکہ اس کے سبب بہت سے گمراہ ہونے والے گمراہ ہوجاتے ہیں،اور اس سے بہت سارے **ہدایت پانے والے ہدایت بھی پاسکتے ہیں**، چنانچہ جو اسے (یعنی فن کو) چھوڑ دے گا،وہ اللہ سے غافل کرنے والے اور اس کو گناہوں کی دعوت دینے والے فتنہ کے وسیع دروازے کو چھوڑ دے گا،اور جو اسے مناسب طریقہ سے اپنائے گا‘ **جمال کی کشش کی قوت سے اللہ کے دین کی دعوت کا اور اس کی عبادت کے لئے عبادت کے نہایت حسین وجمیل طریقوں کا بڑا وسیع دروازہ کھول لے گا**‘‘۔

علامہ البانی رحمہ اللہ وسائل دعوت میں رائج دو اسالیب ’’اناشید (گانے،سونگ) اور ڈراموں‘‘ کے استعمال کی بابت کئے گئے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

’’اسلام میں کوئی نشید نہیں ہے جس کا نام دینی اناشید (دینی

سونگ) ہواسی طرح اسلام میں کھیل کود اور ڈرامے بھی نہیں ہیں، یہ اللہ کی آسمانی ہدایت سے فقیر و مسکین اہل مغرب کی ان عادات میں سے ہے جس سے بعض مسلمان متاثر ہو گئے ہیں! ہم اللہ کے فضل سے اُن جیسے نہیں ہیں، اس لئے ہمیں ان کے کھیل تماشوں اور ڈراموں کی حاجت نہیں ہے، یہ صرف دور حاضر میں داخل ہونے والی چیزیں ہیں اوائل مسلمان ان میں سے کوئی چیز نہیں جانتے تھے، لہٰذا ہم اس چیز کو جائز نہیں سمجھتے!‘‘۔[دیکھئے: جامع تراث العلامۃ الألبانی فی المنہج والأحداث الکبری، ۹/ ۴۸۰]

سعودی عرب کی دائمی کمیٹی برائے فتویٰ سے گانے کے ذریعہ دعوت دینے کی بابت پوچھا گیا کہ: **گانے کے ذریعہ دعوت کیسے دی جاسکتی ہے؟**

تو انہوں نے جواب میں فرمایا: ’’گانے کو دعوت کے وسائل میں شمار کرنا گمراہ صوفیوں کی اصطلاح ہے، اہل سنت کا کام نہیں ہے۔گانا حرام ہے، اور حرام وسیلہ کے ذریعہ دعوت دینا حرام ہے، واللہ أعلم‘‘۔[فتاوی لجنہ دائمہ، مجموعہ اول: ۲۶/ ۲۲۳]

۳۔ کھیل کود اور ورزش:

بانیٔ اخوانیت حسن البنا اپنی کتاب ’’مذکرات الدعاۃ والداعیۃ‘‘ میں کہتا ہے:

’’الاخوان المسلمون‘‘ کے ٹورس کی ان ٹیموں کا قیام و آغاز دعوت کے آغاز کے بعد ہی کر دیا گیا تھا، اور یہ سب سے پہلے وجود میں آنے والے شعبہ سے بالکل وابستہ رہتی تھیں، سب سے پہلی ٹیم میں نے خود بنائی تھی اور بعض کھیل کود اور ورزش کی مشقیں میں خود ہی کروایا کرتا تھا‘‘۔[دیکھئے: ’’مذکرات الدعاۃ والداعیۃ‘‘، ص: ۲۷۰]

علامہ البانی رحمہ اللہ نے دعوت إلی اللہ کے لئے کھیل کود اور ڈراموں کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

’’میرے اسلامی بھائی! اسلام میں کھیل کود کا وجود نہیں ہے، ہاں اس میں خطبات ہیں، دروس ہیں، مواعظ ہیں، (معتبر) قصص ہیں، لہٰذا انہیں اللہ کی کتاب اور احادیث رسول ﷺ سے لیا جائے، اور مسلمانوں کی خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین اُسی بنیاد پر توجیہ وتربیت کی جائے، رہا مسئلہ کھیل کود اور ڈراموں کا تو میرا خیال ہے کہ: یہ طریقہ جیسا کہ آپ لوگوں سے بھی پوشیدہ نہیں ہے' **مغرب کا کافرانہ طریقہ ہے جو اسلام سے بیگانہ ہے،** اسلام ان جیسے وسائل کا محتاج نہیں ہے،... **لہٰذا مسلمانوں کے لئے ان کی مشابہت اختیار کرنا اور ان کی تقلید کرنا جائز نہیں**‘‘۔[دیکھئے: جامع تراث العلامۃ الألبانی فی الفقہ، ۸/ ۲۷۹، وتفریغ ’’سلسلۃ الہدی والنور‘‘ از علامہ البانی (چوتھا ایڈیشن)، ۱۲/ ۳۲۲]

کھیل کود کے ذریعہ دعوت دینا اخوانی ٹرینڈ:

علامہ البانی رحمہ اللہ دوسری جگہ کھیل کود کے ذریعہ دعوت کو اخوانی ٹرینڈ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’بَارَكَ اللهُ فِيْكَ! إِنَّ هَذِهِ إِخْوَانِيَّةٌ غَيْرُ سَلَفِيَّةٍ‘‘.

’’اللہ آپ کو برکت عطا فرمائے! یقیناً یہ اخوانیت ہے، سلفیت نہیں ہے‘‘۔[دیکھئے: جامع تراث العلامۃ الألبانی فی الفقہ، ۱۶/ ۱۶۵، وجامع تراث العلامۃ الألبانی فی المنہج والأحداث الکبری، ۹/ ۴۸۱]

اسی طرح علامہ البانی رحمہ اللہ نے سوال:

’’وسائل دعوت توقیفی ہیں یا اجتہادی؟ کیا ہمارے لئے نوجوانوں کو دعوت إلی اللہ کی خاطر کھینچنے کے لئے فٹ بال کھیلنے اسی طرح انہیں کھانا کھلانے اور چائے پلانے کے لئے دسترخوان سجانے وغیرہ کو وسیلۂ دعوت کے طور پر استعمال کرنا جائز ہے؟ کے

جواب میں فرمایا:

''ہم ان وسائل کو وسائل دعوت کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں سمجھتے، کیونکہ ان میں سے بعض چیزیں کم از کم لہولعب اور کھیل تماشے کے قبیل سے ہیں، جیسا کہ نبی ﷺ کی حدیث میں ہے جسے امام نسائی نے سنن کبری میں اور دیگر محدثین نے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''كل لهو يلهو به ابن آدم باطل إلا مداعبته لزوجه ومداعبته لفرسه ورميه بقوسه والسباحة''.
[دیکھئے: مسند احمد: ۱۷۳۰۰، ۱۷۳۳۷، و السلسلۃ الصحیحۃ از علامہ البانی ، حدیث: ۳۱۵]

''آدمی جو بھی کھیل کود کرتا ہے سب باطل ہے، سوائے: اس کے اپنی بیوی سے معاشرت کے، اپنے گھوڑے سے کھیلنے کے، اپنے قوس سے تیر پھینکنے کے اور تیراکی کے''۔

یہ چار چیزیں ہیں جنہیں نبی کریم ﷺ نے ذکر کیا ہے کہ یہ باطل کھیل کود سے مستثنیٰ ہیں''۔ [دیکھئے: تفریغ ''فتاویٰ جدہ'' از علامہ البانی ، چوتھا ایڈیشن، ۱۶/ ۲۳، ۲۷/ ۱۱، وجامع تراث العلامة الألباني في المنهج والأحداث الكبرى، ۹/ ۴۴۲]

۴۔ تفریحی و پکنک ٹور:

حسن البنا مذکورہ کتاب (ص: ۲۸۰) میں ''سرگرمیوں کے جوانب:'' کے عنوان کے تحت کہتا ہے:

''**اولاً: موسم گرما کے ٹور: ان ٹوروں کا مقصد فوجی ٹریننگ، باہمی تعارف، اور دعوت کی نشر واشاعت**''۔

جبکہ یہ چیزیں بدعات ومحدثات، اغیار کی تہذیب اور منکرات کے قبیل سے ہیں ان کا کتاب وسنت اور سلف امت کے وسائل دعوت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اور ان کی بنیادی اور نمایاں سرگرمیوں میں ''موسم گرما کے تربیتی مراکز'' اور ''صحرائی ٹور اور خیمے'' ہیں، یہ فرقہ ''الاخوان المسلمون'' کے بانی حسن البنا کی تاکیدی وصیتوں اور منصوبوں میں سے ہے''۔

۵۔ رقیہ و جھاڑ پھونک:

موجودہ دور میں ایک طبقہ رقیہ اور جھاڑ پھونک کا پیشہ اپنائے ہوئے ہے، بدقسمتی سے اہل حدیثوں کا بھی ایک طبقہ اس میں کلی یا جزوی طور پر لگا ہوا ہے، بعض نے مستقل مراکز کھول رکھے ہیں، یہ طبقہ ''راقیوں'' کے نام سے جانا جاتا ہے اور منع کئے جانے پر ایک حجت یہ بھی پیش کرتا ہے کہ یہ دعوت إلی اللہ کا وسیلہ ہے!!

علامہ البانی رحمہ اللہ آسیب چھڑانے کے لئے رقیہ اور جھاڑ پھونک کرنے کو وسیلۂ دعوت بنانے کے بارے میں کئے گئے ایک سوال کے بارے میں فرماتے ہیں:

سوال: ''**کیا انسان سے جن کو نکالنا وسائل دعوت میں سے ہے؟** اور کیا رقیہ میں جنوں سے مدد لینا جائز ہے؟... جو بھائی انسان سے جن نکالتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ **یہ ایک قسم کا دعوتی کام ہے**، یہ چیز ہمارے یہاں یمن میں بہت زیادہ عام ہے، آپ اس بارے میں کیا فرماتے ہیں؟''۔

جواب: ''یہ چیز یہاں اور ہر جگہ موجود ہے، **میرا عقیدہ ہے کہ یہ ایک نئی مصیبت ہے جس میں مسلمان اس دور میں مسلم ممالک میں مبتلا ہیں**''۔ [دیکھئے: تفریغ ''سلسلۃ الہدی والنور'' از علامہ البانی (چوتھا ایڈیشن)، ۴/ ۵۹۰]

۶۔ ڈرامے:

بعض جاہلوں یا بعض گمراہوں نے اسے دعوت إلی اللہ کے

وسائل میں سے ایک وسیلہ بنالیا ہے۔

اس سلسلہ میں شیخ حمود بن عبداللہ تویجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"یقیناً ڈرامہ کو دعوت الی اللہ کے وسائل میں داخل کرنا نہ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں ہے نہ ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت میں، بلکہ دراصل یہ ہمارے زمانے کی ایجاد کردہ بدعات میں سے ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ نے دین میں نوایجاد امور سے ڈرایا ہے، اُسے مردود قرار دینے کا حکم دیا ہے اور بتلایا ہے کہ یہ برائی وگمراہی ہے۔ [تحذیر العاقل النبیل مما لفقہ المبیحون للتمثیل ص:۷-۱۰]

۷۔ بعض اسلامی فرقوں کے یہاں بدعتی بیعت:

یہ بیعت ان امور میں سے ہے جسے لوگوں نے دعوت اِلی اللہ کے وسائل میں نیا ایجاد کرلیا ہے، محققین کی ایک جماعت نے اسے منکر قرار دیا ہے اور اس بارے میں کتابیں لکھی ہیں جو اس کے باطل اور گمراہی ہونے کی متقاضی ہیں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں شیخ بکر بن عبداللہ ابوزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"...رہا کوئی نوایجاد وسیلہ دعوت جسے عبادت قرار دیا جائے؛ تو اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چنانچہ جو وسائل دعوت اِلی اللہ کو بدنما اور عیب دار بناتے ہیں، شر وفساد برپا کرتے ہیں اور امت کو فرقوں ٹولیوں میں بانٹتے ہیں ان میں وہ بدعتی بیعت بھی ہے جو صوفیاء کے چشمے سے جاری ہو کر بعض "اسلامی فرقوں" تک پہنچی ہے، اور نفسانی خواہشات ایسے ہی ایک دوسرے کو کھینچتے ہیں۔ [حکم الانتماء إلی الفرق والأحزاب والجماعات الاسلامیۃ، (ص:۱۶۱-۱۶۳)]

غیر شرعی وسائل دعوت کے بارے میں علماء سنت کی تصریحات:

۱۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

شیخ الاسلام رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ لوگوں کی ایک جماعت تھی جو کبیرہ گناہوں؛ مثلاً قتل، رہزنی، چوری، اور شراب نوشی وغیرہ کے مقصد سے اکٹھا ہوا کرتی تھی، پھر نیکی اور اتباع سنت سے معروف بزرگوں میں سے ایک بزرگ صاحب نے ان لوگوں کو ان گناہوں سے منع کرنا چاہا؛ تو ان کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ ہوا، سوائے اس کے کہ اُن کے لئے ایک محفل سماع (گانے، قوالی) کا انتظام کریں، جس میں وہ تمام لوگ اسی نیت سے حاضر ہوں، لیکن یہ محفل دف کے ساتھ بلا آواز ہو اور گلوکار بانسری کے بغیر مباح اشعار گائے؛ چنانچہ جب انہوں نے ایسا کیا تو ان میں سے کچھ لوگوں نے توبہ کرلیا، اور بے نمازی، چور اور زکاۃ نہ دینے والے...وغیرہ شبہات سے بچنے لگے، فرائض ادا کرنے لگے اور حرام کاموں سے اجتناب کرنے لگے! تو کیا اس بزرگ کے لئے اس طرح سے اس محفل قوالی کا انتظام کرنا بایں صورت مباح ہے کہ اس سے مصلحتیں حاصل ہوتی ہیں؟ جبکہ اُس بزرگ کے لئے اس کے بغیر اُنہیں دعوت دینا ممکن نہ تھا؟!!

جواب: تو شیخ الاسلام رحمہ اللہ نے جواب دیا:

الحمدللہ رب العالمین، بیشک اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو ہدایت اور دین دے کر مبعوث فرمایا،....آپ ﷺ اور آپ کی امت کے لئے دین مکمل فرمایا،...اور مخلوق کو حکم دیا کہ اپنے دین کے اختلافی مسائل کو اس دین کی طرف لوٹا دیں جسے دے کر انہیں مبعوث فرمایا ہے،...لہٰذا جو کتاب وسنت کو حرز جان بنائے گا، اللہ کے تقوی شعار اولیاء، اس کی کامیاب جماعت، اور اس کے غالب لشکر میں سے ہوگا، اور امام مالک وغیرہ سلف صالحین کہا کرتے تھے: "السُّنَّةُ كَسَفِينَةِ نُوحٍ، مَنْ رَكِبَهَا نَجَا، وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ" "سنت رسول ﷺ کی مثال کشتی نوح جیسی ہے، جو اس پر سوار ہوا نجات پا گیا اور جو اس سے پیچھے رہا

ڈوب گیا“۔

جب آپ نے یہ بات جان لی؛ تو یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ گمراہوں کو ہدایت دیتا ہے، بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھاتا ہے، اور گنہ گاروں کی توبہ قبول فرماتا ہے‘لازمی طور پر اسی کتاب وسنت میں ہے جسے دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا ہے،...اور جب یہ چیز واضح ہوگئی تو ہم سائل سے کہنا چاہتے ہیں کہ: مذکورہ بزرگ نے چاہا کہ کبیرہ گناہوں پر اکٹھا ہونے والے توبہ کرلیں؛ لیکن اس کے لئے یہ چیز ممکن نہ ہوسکی سوائے مذکورہ بدعت کے طریقہ سے؛ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ بزرگ یا تو ان شرعی طریقوں سے جاہل ولاعلم ہے جن سے گنہ گار توبہ کرتے ہیں‘ یا ان سے عاجز و بے بس ہے؛ کیونکہ رسول اللہ ﷺ، صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم و رحمھم ان سے کہیں بدتر لوگوں یعنی کافروں فاسقوں اور نافرمانوں کو ان شرعی طریقوں سے دعوت دیا کرتے تھے‘ جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بدعتی طریقوں سے بے نیاز کر رکھا تھا“۔[بات مختصراً ختم ہوئی، دیکھئے: مجموع فتاوی ابن تیمیہ: ۱۱/۶۲۰-۶۲۴]

۲۔ علامہ البانی رحمہ اللہ:

علامہ البانی رحمہ اللہ ان جدید غیر مشروع وسائل دعوت کے بالمقابل کتاب وسنت کے ذریعہ دعوت کی تاثیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”تمہیں ایک سورت کیا صرف ایک آیت اللہ سے قریب کردے گی، جو کئی ڈراموں بلکہ بہت سارے ڈراموں سے بے نیاز کردے گی، بشرطیکہ اُسے مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے اور اُن کے سامنے اُس کی تفسیر کی جائے، لہٰذا مسلمانوں کو ان جیسے نئے وسائل کی حاجت نہیں ہے، بالخصوص جبکہ وہ کفریہ ممالک سے وجود میں آئے ہیں“۔[دیکھئے: جامع تراث العلامۃ الألبانی فی الفقہ، ۱۶/۲۳۶،وجامع تراث العلامۃ الألبانی فی المنہج والأحداث الکبری، ۹/۴۷۷]

۳۔ دائمی کمیٹی برائے افتاء:

ایک سوال کے جواب میں دائمی کمیٹی برائے افتاء نے کہا:

”...جب یہ بات ثابت ہوگئی تو یقیناً اسلام کی نشر واشاعت اور اللہ کی طرف دعوت دینے کے راستے بکثرت ہیں؛ جیسے خاص دعوت ہر فرد اپنے طور پر دعوت دے سکتا ہے، اور لوگوں کو عام دعوت تقریروں اور خطبوں وغیرہ کے ذریعہ دی جاسکتی ہے، اسی طرح دعوت کے مفید وسائل میں کتابوں کی طباعت اور عمدہ نشرات کی اشاعت کی جاسکتی ہے جس میں اچھے اور آسان فہم زبان میں باتیں پیش کی گئی ہوں اور اُسے ان لوگوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جن کے اسلام کی امید ہو“۔[دیکھئے: فتاوی لجنہ دائمہ، مجموعہ اول، ۱۱/۳۲]

۴۔ مفتیِ عام سعودی عرب علامہ شیخ صالح فوزان حفظہ اللہ:

سوال: دعوت إلی اللہ کے مناہج توقیفی ہیں یا اجتہادی؟

جواب: دعوت الی اللہ کے مناہج توقیفی ہیں‘ جنہیں کتاب وسنت اور سیرت رسول ﷺ نے بیان کردیا ہے، ہم اس میں اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد نہیں کرسکتے، یہ مناہج اللہ کی کتاب اور اس کے رسول ﷺ کی سنت میں موجود ہیں، اگر ہم کوئی نیا منہج وطریقہ شروع کریں گے تو خود بھی ضائع ہوں گے اور دوسروں کو بھی ضائع کردیں گے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:”مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ“.[مسلم]

”جس نے ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات ایجاد کی جو

اس میں سے نہیں، وہ مردود ہے"۔[الأجوبة المفيدة، سوال:۱۷، ص: ۴۳]

۵۔ شیخ جمال بن فریحان الحارثی رحمہ اللہ:

شیخ جمال بن فریحان الحارثی رحمہ اللہ غیر مشروع وسائل کے بارے میں فرماتے ہیں:

"لہٰذا میرے بھائی! اس بدعتی طریقہ پر ذرا غور کریں اور اس کا اس طریقہ سے موازنہ کریں جس پر آج کل بعض دعاۃ اور بعض فرقے گامزن ہیں، اور اسے "دعوتی مناہج" کہتے ہیں! جیسے: گیند کھیلنا، گانے (Songs) گانا، اور ڈرامے کرنا جسے لوگ بزعم خویش "اسلامی" کا نام دیتے ہیں، اور تفریحی ٹورس، قصے کہانیاں وغیرہ؛ بس اللہ ہی مددگار ہے، واللہ أعلم"۔[الأجوبة المفيدة،ص:۴۴]

اور ایک دوسری جگہ اس سلسلہ میں فرقۃ الاخوان المسلمون کے رویہ پر تبصرہ کرتے ہوئے اور اس کا سبب بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فرقہ "الاخوان المسلمون" کا یہی حال ہے، یہ لوگ ڈرامے، صوفیانہ بدعتی گانے، اور اسی طرح جھوٹ، داؤ پیچ اور فریب کاری کو جائز قرار دیتے ہیں، اور یہ سب بزعم خویش "دعوتی مصلحت" کے پیش نظر، اور یہ "الاخوان المسلمون" کی علامت وامتیازی خصوصیات میں سے ہے، ان کا کہنا ہے: **"الغَايَةُ تُبَرِّرُ الْوَسِيلَةَ"!!** (مقصد وسیلہ وذریعہ کو نیک بنادیتا ہے)۔[الأجوبة المفيدة،ص:۱۴۴]

وسائل دعوت اور وسائل ابلاغ میں کوئی تعارض نہیں:

اس مسئلہ کی دوٹوک وضاحت کرتے ہوئے سعودی عرب کے معروف سلفی عالم وفقیہ ڈاکٹر سلیمان رحیلی حفظہ اللہ فرماتے ہیں:

"وسائل دعوت کا مسئلہ: ہم کہتے ہیں کہ وسائل کا وہی حکم ہے جو مقاصد کا ہے، اب چونکہ دعوت مطلوب ہے تو اس کے وسائل بھی مطلوب ہیں، یہ صحیح ہے، لیکن ایک دوسری حیثیت سے دعوت توقیفی ہے کیونکہ وہ عبادت ہے لہٰذا اس کے وسائل بھی توقیفی ہیں، کیونکہ اس کا حکم مقاصد ہی کا حکم ہے، بنابریں جس طرح دعوت توقیفی ہے اسی طرح اس کے وسائل بھی توقیفی ہیں، اس لئے جو لوگ ہمارے پاس آکر کہتے ہیں کہ: گیند کھیلنا دعوت کا وسیلہ ہے! تو ہم کہتے ہیں: نہیں! دعوت کے وسائل توقیفی ہیں، تو وہ کہتا ہے، شیخ! یہ میکروفون دعوت کا وسیلہ ہے جو نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں نہیں تھا، اور آپ کہہ رہے ہیں کہ دعوت کے وسائل توقیفی ہیں! ہم کہتے ہیں کہ تم غلطی پر ہو، یہ میکروفون وسیلہ نہیں ہے، بلکہ وسیلہ تو بات اور کلام (خطبہ، درس وغیرہ) ہے، رہا یہ مکروفون تو یہ وسیلہ کو منتقل کرنے کا واسطہ اور ذریعہ ہے، چنانچہ ٹیپ ریکارڈر، جو ایک پرانی چیز ہے اسے آج لوگ نہیں جانتے، اسی طرح یہ سیڈیاں اور فلاش میمری وغیرہ واسطے ہیں، وسیلہ تو شیخ یا عالم کی بات اور خطبہ ہے، رہی یہ چیزیں تو یہ وسائط اور ذرائع ہیں، اور علماء کا اتفاق ہے کہ وسائط کے بارے میں اصل اباحت ہے۔ اب آج ہم دو کناروں کے درمیان ہیں، ایک طبقہ یہ کہہ کر وسائط (ذرائع ابلاغ) سے بھی منع کرتا ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں نہ تھے، اس دور کے کچھ لوگوں نے انہیں استعمال کرنا شروع کر دیا ہے، جبکہ یہ اہل علم کے یہاں غلط ہے، جبکہ دوسرا طبقہ دعوت کے وسائل میں حد سے زیادہ توسع سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے وسائل کا حکم مقاصد ہی کا حکم ہے، اور اس کے سمجھنے میں غلطی کرتا ہے، اور اس باب میں یہ طبقہ بھی غلط ہے۔ (ملاحظہ فرمائیں: السنة سفينة النجاة (https://www.youtube.com/watch?v=VoCl1XA8b0O))

داعی کی شخصیت: علم وعمل کا حسین امتزاج

● شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی (مدیر مجلہ الجماعۃ، ممبئی)

دعوتِ دین کا فریضہ وہ مقدس مشن ہے جو انبیاء علیہم السلام کی وراثت ہے۔اس منصب کے لیے داعی کی شخصیت میں علم وعمل کا امتزاج بنیادی شرط ہے، کیونکہ علم داعی کو بصیرت، حکمت اور صحیح فہم عطا کرتا ہے، جبکہ عمل اس کے قول کو اثر انگیز بناتا ہے۔جب داعی کا علم عمل سے جدا ہو جائے تو دعوت محض نعرہ بن جاتی ہے۔قرآن وسنت نے بارہا اس حقیقت کو واضح کیا کہ قول وفعل میں مطابقت ہی صدقِ دعوت کی دلیل ہے۔اس مقالے میں داعی کی علمی وعملی ذمہ داریوں کا جائزہ قرآن، سنت، آثارِ سلف، اور معاصر علماء کی آراء کی روشنی میں لیا گیا ہے۔

اسلامی دعوت دراصل خیر وہدایت کا وہ نور ہے جو انبیاء کے دلوں سے امتوں کے قلوب تک منتقل ہوا۔داعی وہ خوش بخت انسان ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی طرف بلانے، راہِ حق دکھانے، اور امت کی اصلاح کے لیے منتخب فرمایا۔چنانچہ اس کے لیے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ وہ علم وعمل دونوں کا پیکر ہو کیونکہ علم کے بغیر دعوت اندھی ہے، اور عمل کے بغیر علم بے اثر۔

قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ [النحل:۱۲۵]

''اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلاؤ''۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ دعوت محض جذبے کا نہیں بلکہ علم وحکمت کا عمل ہے۔داعی اگر علم وفہم سے عاری ہو تو وہ مخلص ہونے کے باوجود غلطی میں پڑ سکتا ہے، اور اگر علم ہو مگر عمل نہ ہو تو اس کی دعوت میں تاثیر باقی نہیں رہتی۔

● واقعۂ طائف داعی کے صبر وعمل کا نمونہ:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں داعی کے لیے سب سے عظیم سبق واقعۂ طائف ہے۔جب اہلِ طائف نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پتھر برسائے، آپ کے قدم زخمی ہو گئے، خون بہنے لگا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بددعا کے بجائے انکی ہدایت کی دعا فرمائی:

یہ وہ لمحہ تھا جہاں عمل، صبر، علم اور حلم سب جمع تھے۔یہی دعوت کا حقیقی معیار ہے کہ داعی علم کے ساتھ بردباری، اور عمل کے ساتھ استقامت کا مظاہرہ کرے۔نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ کردار ہمیں بتاتا ہے کہ داعی کا اثر اس کے قول میں نہیں بلکہ اس کے حال میں ہوتا ہے۔چنانچہ ان باتوں سے معلوم پڑتا ہے کہ داعی کے لئے دو اہم ستون ہیں جن پر دعوت اور اسکی افادیت اور اثر انگیزی کی بنیاد ہے۔

اول: داعی کے لیے علم کی ضرورت:

دعوتِ دین کا پہلا زینہ علم ہے۔ داعی اگر علم سے محروم ہو تو اس کی دعوت خواہ کتنی ہی پرجوش کیوں نہ ہو، وہ پائیدار اثر نہیں چھوڑ سکتی۔ اس لیے قرآن نے دعوت کو ہمیشہ علم اور بصیرت سے وابستہ کیا ہے: ﴿قُلْ هَٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا۠ وَمَنِ ٱتَّبَعَنِى﴾ [یوسف:۱۰۸]

''کہہ دیجیے: یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت کے ساتھ اللہ کی طرف بلاتا ہوں، میں اور وہ سب جو میری پیروی کرتے ہیں''۔

یہ آیت دعوتِ اسلامی کی اساس بیان کرتی ہے یعنی دعوت علم وبصیرت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ داعی کو اپنے رب، اپنے دین، اور لوگوں کی نفسیات کا علم ہونا چاہیے، تاکہ وہ ہر شخص سے اس کے حال کے مطابق بات کرے۔

علم داعی کی بصیرت ہے:

علم داعی کو حکمت عطا کرتا ہے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **"العلم إمام العمل، والعمل تابعه".** ''علم عمل کا امام ہے، اور عمل اس کا تابع''۔ (مفتاح دار السعادۃ، ج1 ص69)

یعنی اگر علم درست ہو تو عمل بھی درست ہوگا، اور اگر علم میں خطا ہو تو عمل بھی غلط سمت میں جائے گا۔ داعی کے لیے ضروری ہے کہ وہ قرآن وسنت، عقیدہ، سیرت اور معاصر حالات کا گہرا فہم رکھے۔

قرآن کی روشنی میں داعی کا علمی مقام:

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ علم کی برتری بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِى ٱلَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ﴾ [الزمر:۹]

''کیا علم والے اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟''

یہ آیت نہ صرف علم کی فضیلت ظاہر کرتی ہے بلکہ داعی کو متنبہ کرتی ہے کہ بغیر علم کے دعوت گمراہی کا سبب بن سکتی ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''یعنی اہلِ علم وہ ہیں جو اللہ کے احکام کو جانتے ہیں اور اسی علم کے مطابق لوگوں کو راہِ ہدایت دکھاتے ہیں''۔ (تفسیر الطبری، ج21 ص253)

● نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقِ دعوت علم پر مبنی:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی جذباتی یا سطحی اندازِ دعوت اختیار نہیں کیا بلکہ ہمیشہ فہم، تدبر، اور علم کے ساتھ بات کی۔ مثال کے طور پر جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو فرمایا: **"إنك تأتي قوماً من أهل الكتاب، فليكن أول ما تدعوهم إليه شهادة أن لا إله إلا الله...''.**

''تم ایک اہلِ کتاب قوم کے پاس جا رہے ہو، پس سب سے پہلی چیز جس کی طرف تم انہیں بلاؤ، وہ توحید ہو۔'' (صحیح البخاری، حدیث:7372)

یہ تعلیم ظاہر کرتی ہے کہ داعی کو دعوت کے میدان میں ترجیحات کا علم ہونا چاہیے کہ کہاں سے آغاز کرنا ہے اور کس مسئلے کو مقدم رکھنا ہے۔

دوم: داعی کے لیے عمل کی ضرورت:

دعوتِ دین کا دوسرا ستون عمل ہے۔ اگر داعی کی زبان پر صدق اور کردار میں اخلاص نہ ہو تو اس کی دعوت قلوب پر اثر نہیں

ڈال سکتی۔علم داعی کے لیے روشنی ہے، لیکن عمل اس روشنی کی کرن ہے جو دلوں تک پہنچتی ہے۔اسی لیے قرآن وسنت میں سب سے زیادہ زور قول وفعل کی مطابقت پر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفۡعَلُونَ ۝٢ كَبُرَ مَقۡتًا عِندَ ٱللَّهِ أَن تَقُولُواْ مَا لَا تَفۡعَلُونَ﴾[صف:۲-۳]

''اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو خود نہیں کرتے؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ ہے کہ تم وہ کہو جو نہ کرو''۔

یہ آیت ہر داعی کے لیے آئینہ ہے کہ جس دعوت کا عملی ثبوت نہ ہو وہ محض دعویٰ ہے۔امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**في الآية دليل على أن القول بلا عمل يُسقط المروءة ويُنقص العدالة.**(تفسیر القرطبی، ج18ص120)

''اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ قول بلا عمل انسان کی وقار کو گرا دیتا ہے اور اس کی عدالت کو نقصان پہنچاتا ہے''۔

● نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل داعی کے لیے نمونہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت میں عمل کو قول پر مقدم رکھا۔مکہ کی سختیوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صبر، امانت اور حسنِ خلق کے ذریعے دعوت دی۔جب کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''الامین'' کہا تو یہی عملی کردار دعوت کا سب سے مضبوط ثبوت بن گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:**كان خُلُقُهُ القرآن**

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا''۔(صحیح مسلم، حدیث:746)

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل میں وہی نظر آتا تھا جو قرآن کہتا ہے۔یہی سبب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت نے چند برسوں میں دل بدل دیئے۔

● سلفِ صالحین کا عملی کردار:

امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**كان الرجل إذا طلب العلم لم يلبث أن يُرى ذلك في خُشوعه ولسانه وبصره ويده.**

''جب کوئی شخص علم حاصل کرتا تو جلد ہی اس کے خشوع، گفتگو، نگاہ اور عمل میں اس کا اثر نظر آنے لگتا تھا''۔(الزہد للامام أحمد ص87)

یہی وصف ہر داعی میں ہونا چاہیے کہ اس کا علم اس کے کردار میں جھلکے۔امام مالک رحمہ اللہ کہا کرتے تھے:**من طلب العلم ليعمل به نوّر الله قلبه.**

''جو شخص علم اس لیے حاصل کرتا ہے کہ اس پر عمل کرے، اللہ اس کے دل کو منور کر دیتا ہے''۔(جامع بیان العلم، ابن عبدالبر، ج1ص114)

عمل کی تاثیر دعوت میں:

داعی کا کردار لوگوں کے دلوں میں اس کے پیغام سے زیادہ اثر ڈال سکتا ہے۔تاریخ گواہ ہے کہ اسلام کے کئی خطے (جیسے افریقہ، برصغیر اور جنوب مشرقی ایشیا) تلوار سے نہیں بلکہ تاجروں اور داعیوں کے اخلاق سے منور ہوئے۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:**العمل الصالح هو الذي يفتح القلوب قبل أن يفتح العقول.**

''نیک عمل وہ ہے جو دلوں کے دروازے کھول دیتا ہے اس

سے پہلے کہ عقلوں کے دروازے کھلیں''۔(مدارج السالکین، ج2، ص381)

علم وعمل کا حسین امتزاج سیرتِ صحابہ وتابعین کی روشنی میں:

دعوتِ دین میں سب سے مؤثر کردار وہی ہے جس میں علم وعمل کا حسین امتزاج ہو۔ سیرتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین اس حقیقت کا زندہ نمونہ ہے۔ ان کی زندگیوں میں علم محض الفاظ نہیں، بلکہ کردار کی روشنی تھی۔ انہوں نے اپنی دعوت کو دلائل سے نہیں بلکہ اپنے اعمال سے زندہ رکھا۔:

1۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا علمی وعملی نمونہ:

(الف) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ کی دعوت کا اصل ستون صدق اور قربانی تھی۔ جب اسلام کے ابتدائی دنوں میں کمزور مسلمان ظلم سہہ رہے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا مال خرچ کر کے سات غلام آزاد کیے، جن میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔

یہی علمِ توحید کا عملی اظہار تھا۔ قال ابن كثير: **"أنفق الصديق ماله كله في سبيل الله فكان أول الدعاة العاملين بما علموا"**.

''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ کیا، وہ پہلے داعی تھے جنہوں نے اپنے علم پر عمل کیا''۔(البدایۃ والنہایۃ، ج5ص255)

(ب) حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ علم کے ساتھ عدل کے داعی تھے۔ ایک رات مدینہ کی گلیوں میں ایک خیمہ دیکھا، جہاں ایک عورت بچے کو تسلی دے رہی تھی، مگر وہ بھوک سے رو رہا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے آٹا اٹھایا، خود آگ جلائی، اور کھانا پکایا۔

یہ عمل اس علم کا ثبوت تھا جو قرآن نے دیا:

﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ﴾[الحشر:۹]

علامہ ابن الجوزی لکھتے ہیں: **"كان عمر يرى أن الدعوة لا تتم إلا بالعدل والرحمة"**.

''عمر رضی اللہ عنہ کا عقیدہ تھا کہ دعوت عدل اور رحمت کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی''۔(صفۃ الصفوۃ، ج1ص277)

(ج) حضرت علی بن أبي طالب رضی اللہ عنہ:

آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"هتف العلم بالعمل فإن أجابه وإلا ارتحل".

''علم عمل کو پکارتا ہے، اگر عمل جواب نہ دے تو علم چلا جاتا ہے۔''(جامع بیان العلم، ابن عبدالبر، ج1ص57)

یہ قول اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ علم عمل کے بغیر باقی نہیں رہتا۔

2۔تابعین کا علمی کردار اور عملی نمونہ:

(الف) حسن بصری رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: **ليس الإيمان بالتمني ولا بالتحلي ولكن ما وقر في القلب وصدقه العمل.**

''ایمان محض آرزو یا ظاہری دعوے کا نام نہیں، بلکہ وہ ہے جو دل میں جم جائے اور عمل اس کی تصدیق کرے''۔(الزہد للامام

أحمد،ص115)

(ب)سعید بن جبیر رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ قرآن کے عالم تھے، مگر جب بھی دعوت دیتے تو خود سب سے پہلے اس پر عمل کرتے۔ کہا کرتے تھے: **العلم يهتف بالعمل فإن أجابه وإلا ارتحل.** (سیر أعلام النبلاء، الذہبی، ج4،ص324)

(ج)امام مالک رحمہ اللہ:

آپ رحمہ اللہ سے جب علم کے لیے آئے ہوئے طلبہ نے پوچھا: ''آپ نے اتنا علم کہاں سے سیکھا؟''

فرمایا: **تعلمت الأدب قبل العلم**

''میں نے علم سے پہلے عمل و اخلاق سیکھے۔'' (الجامع لأخلاق الراوی، الخطیب البغدادی، ج1،ص80)

3۔ علم وعمل کا اثر دعوت میں:

داعی جب اپنے علم کو عمل سے مزین کرتا ہے تو اس کی دعوت زبان سے نہیں، دل سے اترتی ہے۔ یہی وہ چیز تھی جس نے دنیا کو بدلا۔

قال ابن القيم: "العلم بلا عمل جنون، والعمل بلا علم لا يكون".

''عمل کے بغیر علم جنون ہے، اور علم کے بغیر عمل ممکن نہیں''۔ (الفوائد،ص44)

داعی کی زندگی میں عمل کے نمایاں اثرات:

دعوتِ دین محض زبان کا عمل نہیں بلکہ زندگی کا پیغام ہے۔ داعی جب اپنے علم کو عمل کے لباس میں سجاتا ہے تو وہ خود ایک زندہ دعوت بن جاتا ہے۔ اس کے کردار کی روشنی، اس کے الفاظ سے کہیں زیادہ اثر رکھتی ہے۔ قرآن وسنت نے عمل صالح کو داعی کی کامیابی کا اصل زادِ راہ قرار دیا ہے۔

1۔ اخلاص: دعوت کا روحانی جوہر:

اخلاص وہ قوت ہے جو داعی کے قول وفعل کو برکت عطا کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَآ أُمِرُوٓاْ إِلَّا لِيَعۡبُدُواْ ٱللَّهَ مُخۡلِصِينَ لَهُ ٱلدِّينَ﴾

''اور انہیں یہی حکم دیا گیا کہ وہ اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں۔'' [البینۃ:۵]

امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الإخلاص روح العمل وعموده، وبدونه لا يقبل الله عملاً.

''اخلاص عمل کی روح اور بنیاد ہے، اس کے بغیر اللہ کوئی عمل قبول نہیں کرتا''۔ (مدارج السالکین، ج2،ص92)

داعی اگر اخلاص سے خالی ہو جائے تو اس کی دعوت صرف الفاظ رہ جاتی ہے۔ لیکن جب وہ مخلص ہو تو اس کے الفاظ دلوں میں گھر کر لیتے ہیں، چاہے وہ کم ہوں۔

2۔استقامت: عمل کی پائیداری:

اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا:

﴿فَٱسۡتَقِمۡ كَمَآ أُمِرۡتَ﴾ [هود:۱۱۲]

''جیسے تجھے حکم دیا گیا ہے، اسی طرح استقامت اختیار کر''۔

استقامت کا مطلب صرف عبادت میں پختگی نہیں، بلکہ

دعوت کے میدان میں ثابت قدمی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے اس کا عملی ثبوت پیش کیا۔

حضرت خباب بن الأرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''ہم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں تھے۔ ایک دن ہم نے عرض کیا: کیا آپ اللہ سے مدد نہیں مانگتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم جلدی کررہے ہو... لیکن اللہ کی قسم! یہ دین غالب ہوکر رہے گا''۔ (صحیح البخاری، حدیث:3852)

یہی استقامت بعد میں دعوتِ اسلامی کی بنیاد بنی۔

3-داعی کی سیرت میں عمل کی اثر آفرینی:

(الف) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے:

جب اہلِ طائف نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتھر مارے، تو خون سے لت پت ہونے کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی: **"اللهم اهد قومي فإنهم لا يعلمون"** ''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے، وہ نہیں جانتے''۔ (صحیح البخاری، الأدب المفرد، حدیث:489)

یہ عمل انتقام نہیں بلکہ عفو و رحمت کا نمونہ ہے جس نے بعد میں طائف کے دلوں کو بدل دیا۔

(ب) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ الغفاری:

اسلام قبول کرنے کے بعد فوراً قریش کے مجمع میں لا إلہ إلا اللہ کی صدا بلند کی، اور جب مارا گیا تو پھر بھی کہا: ''میں نے جو سنا، وہی کہا، اور جس پر یقین کیا، اس پر قائم ہوں''۔ (الاستیعاب، ابن عبدالبر، ج4،ص163)

یہ عمل اس علم کا مظہر تھا جو یقین سے پیدا ہوا۔

(ج) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

زمانۂ محنہ میں جب خلقِ قرآن کا فتنہ عام ہوا تو آپ رحمہ اللہ نے سختیوں کے باوجود حق پر استقامت اختیار کی۔

قال الذهبي: "ضُرب بالسياط حتى أغمي عليه ولم يقل بخلق القرآن".

''آپ کو کوڑوں سے بے ہوش کر دیا گیا، مگر آپ نے کبھی خلقِ قرآن نہیں کہا''۔ (سیر أعلام النبلاء، ج11،ص214)

یہ عمل ہی تھا جس نے بعد کی نسلوں کے ایمان کو بچا لیا۔

4- عمل کی برکت سے دعوت کی قبولیت:

عملِ صالح داعی کے لیے دعوت کی قوتِ اثر بن جاتا ہے۔

امام ابن رجب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"من أصلح سريرته أصلح الله علانيته".

''جو اپنی باطن کی اصلاح کر لیتا ہے، اللہ اس کے ظاہر کو بھی سنوار دیتا ہے''۔ (جامع العلوم والحکم،ص54)

اسی لیے سلف فرماتے تھے کہ ''اللہ کے لیے کیا گیا خفیہ عمل، ہزاروں علانیہ دعوتوں سے زیادہ اثر رکھتا ہے''۔

5-دعوت میں عمل کی برکات:

داعی کے کردار سے لوگ اللہ کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

عمل داعی کے علم کو نور میں بدل دیتا ہے۔

اس کے الفاظ میں اثر اور اس کے انداز میں وقار پیدا ہوتا ہے۔

وہ خود دعوتِ دین کا زندہ ترجمہ بن جاتا ہے۔

امام شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **''الداعية الذي لا**

يعمل بما يقول كالمريض الذي يعالج الناس وهو سقيم". (الاعتصام، ج1،ص142)

''وہ داعی جو اپنے قول پر عمل نہیں کرتا، اس مریض کی مانند ہے جو دوسروں کو علاج دے رہا ہو مگر خود بیمار ہو''۔

نتائجِ بحث:

1-دعوت کی اساس علم ہے:

داعی کے لیے علم اولین شرط ہے، کیونکہ دعوت جہالت سے نہیں بلکہ بصیرت سے کی جاتی ہے۔

﴿قُلْ هَـٰذِهِۦ سَبِيلِىٓ أَدْعُوٓا۟ إِلَى ٱللَّهِ ۚ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ﴾

''کہہ دو! یہ میرا راستہ ہے، میں بصیرت پر اللہ کی طرف بلاتا ہوں''۔[یوسف:۱۰۸]

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ بصیرت (علم) کے بغیر دعوت محض جذبہ رہ جاتی ہے۔

2-عمل علم کی روح ہے:

علم اگر کردار میں ظاہر نہ ہو تو دعوت میں تاثیر نہیں رہتی۔ داعی کے عمل کا خلوص ہی اس کے علم کی سچائی کا ثبوت ہے۔

3-قول و فعل کی مطابقت داعی کی کامیابی کا راز ہے:

قرآن و سنت دونوں میں تاکید ہے کہ داعی کا قول اس کے فعل کے مطابق ہو۔ یہی مطابقت دلوں کو بدلتی ہے۔

4-سیرتِ نبوی ﷺ علم و عمل کے کامل امتزاج کی مثال ہے:

نبی ﷺ نے پہلے عمل کے ذریعے دعوت دی، پھر زبان سے وضاحت کی۔ یہی ترتیب ہر داعی کے لیے نمونہ ہے۔

5-سلفِ صالحین کے نزدیک علم بغیر عمل کے بوجھ ہے:

صحابہ و تابعین نے علم کو عمل سے جوڑا۔ وہ اپنے علم کے مطابق عمل نہ کرنے کو خسارہ سمجھتے تھے۔

6-اخلاص اور استقامت دعوت کی جان ہیں:

داعی اگر مخلص اور ثابت قدم ہو تو معمولی عمل بھی امت کے لیے برکت بن جاتا ہے۔

7-داعی کا اخلاق دعوت کی کامیابی میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے:

تاریخ میں جن دعوتوں نے انقلاب برپا کیا، ان کے پیچھے داعیوں کا اخلاق و کردار کارفرما تھا، نہ کہ ان کی فصاحت۔

خلاصۂ کلام یہ کہ دعوت کا پیغام اسی وقت دلوں تک پہنچتا ہے جب داعی خود اس پیغام کی تصویر بن جائے۔

علم دعوت کا آسمان ہے اور عمل اس کا زمین پر سایہ۔

نبی ﷺ، صحابہ اور سلف کی پوری دعوت اسی امتزاج پر قائم تھی۔ قال ابن القیم: **"العلم من غير عمل وبال، والعمل من غير علم ضلال، ولا صلاح للداعية إلا بهما جميعاً."** (مفتاح دار السعادۃ، ج1،ص97)

''عمل کے بغیر علم وبال ہے، اور علم کے بغیر عمل گمراہی ہے داعی کی اصلاح ان دونوں کے بغیر ممکن نہیں''۔

پس ہر داعی کو چاہیے کہ وہ اپنے علم کو کردار میں ڈھالے، کیونکہ علم جب عمل بن جائے تو وہ دعوت بن جاتا ہے۔ اور کامیابی قدم بوس ہونے لگتی ہے۔

باطل تحریکات

منحرف تنظیموں سے تحذیر میں داعیان حق کی ذمہ داریاں

● شیخ ابواحمد کلیم الدین یوسف (جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ)

ہر زمانے میں اہل باطل حق پرستوں کو راہ راست سے ہٹانے کی کوشش کرتے رہے ہیں، اور لوگوں کو گمراہ کرنے کے نت نئے طریقے ایجاد کرتے رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العالمین باطل کا پردہ چاک کرنے اور اہل باطل کے شبہات واعتراضات پر رد کرنے کیلئے ہر زمانے میں انبیاء ورسل مبعوث فرماتا رہا ہے، اگر آپ نوح، ابراہیم، موسی، صالح، لوط، شعیب، عیسیٰ علیہم الصلاۃ والسلام کی زندگیوں کا مطالعہ فرمائیں گے تو آپ کو اہل باطل کی دسیسہ کاریاں، ان کا مکر وفریب ہر سو دکھائی دے گا، نیز انبیاء کرام نے ان فتنوں کا کس طرح سے مقابلہ کیا اور کس انداز میں جواب دیا یہ تفصیل بھی آپ کو بڑے ہی سہل انداز میں معلوم ہوگی۔

اللہ رب العالمین نے فرمایا:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكۡتُمُونَ مَآ أَنزَلۡنَا مِنَ ٱلۡبَيِّنَٰتِ وَٱلۡهُدَىٰ مِنۢ بَعۡدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي ٱلۡكِتَٰبِ أُوْلَٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ ٱللَّهُ وَيَلۡعَنُهُمُ ٱللَّٰعِنُونَ﴿١٥٩﴾﴾ [البقرۃ:۱۵۹]

”جو لوگ ہماری اتاری ہوئی دلیلوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں باوجودیکہ ہم اسے اپنی کتاب میں لوگوں کے لئے بیان کر چکے ہیں، ان لوگوں پر اللہ کی اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہے“۔

وقال سبحانہ:

﴿إِنَّ ٱلَّذِينَ يَكۡتُمُونَ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلۡكِتَٰبِ وَيَشۡتَرُونَ بِهِۦ ثَمَنٗا قَلِيلًا أُوْلَٰٓئِكَ مَا يَأۡكُلُونَ فِي بُطُونِهِمۡ إِلَّا ٱلنَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ ٱللَّهُ يَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمۡ وَلَهُمۡ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [البقرۃ:۱۷۴]

”بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب چھپاتے ہیں اور اسے تھوڑی تھوڑی سی قیمت پر بیچتے ہیں، یقین مانو کہ یہ اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہ کرے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے“۔

﴿وَإِذۡ أَخَذَ ٱللَّهُ مِيثَٰقَ ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلۡكِتَٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهُۥ لِلنَّاسِ وَلَا تَكۡتُمُونَهُۥ فَنَبَذُوهُ وَرَآءَ ظُهُورِهِمۡ وَٱشۡتَرَوۡاْ بِهِۦ ثَمَنٗا قَلِيلٗاۖ فَبِئۡسَ مَا يَشۡتَرُونَ﴾ [آل عمران:۱۸۷]

”اور اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے ضرور بیان کروگے اور اسے چھپاؤ گے نہیں، تو پھر بھی ان لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا۔ ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے“۔

﴿وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٞ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ﴾

[آل عمران:۱۰۴]

''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو بھلائی کی طرف بلائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح ونجات پانے والے ہیں''۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **''من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان''.**

''جوتم میں سے منکر دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے بدلنے کی کوشش کرے، اوراگر ہاتھ سے بدلنا ممکن نہ ہوتو اس برے کام پر زبان سے نکیر کرے، اوراگر زبان سے بھی انکار کرنا ممکن نہ ہوتو اس برے کام کو کم ازکم دل میں برا سمجھے، یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے''۔[صحیح مسلم:1/50،رقم:49]

جس طرح سنت اوراہل سنت سے محبت ایمان کا جز ہے اسی طرح بدعت اور اہل بدعت سے بغض وعداوت اور ان سے اظہار براءت کرنا بھی ایمان کا حصہ ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو ذر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ: **''أي عرى الإيمان أوثق؟ قال: الله ورسوله أعلم، قال: الموالاة في الله والمعاداة في الله، والحب في الله والبغض في الله''.**[المعجم الکبیر:11/215]

شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔[سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ:4/306]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تو پوری زندگی ہی اہل باطل سے مقابلہ اور معرکہ آرائی میں گذری، کفار ومشرکین، منافقین اور یہود ونصاریٰ لسانی، علمی اور جسمانی ہر قسم کا جہاد تسلسل کے ساتھ کرتے رہے، اور جب وفات ہوئی اس وقت بھی باطل افکار نظریات سے تحذیر کرتے ہوئے ہی وفات ہوئی کہ:

''لعنة الله على اليهود والنصارى اتخذوا قبور أنبيائهم مساجد''.

''یہود ونصاری پر اللہ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا...''[صحیح بخاری:1/95،رقم:435]

اسی طرح ہر جمعہ کو خطبہ میں تمام قسم کے بدعی افکار ونظریات پر اعلانیہ رد کرتے اور تمام صحابہ کرام کو نت نئے طریقے ایجاد کرنے یا ایجاد بندہ رسومات پر عمل کرنے سے سختی سے منع کرتے، چنانچہ فرماتے:

''وشر الأمور محدثاتها، وكل بدعة ضلالة''. [صحیح مسلم:4/11،رقم:867]

اورفرماتے: **''وكل ضلالة في النار''.** [صحیح ابن خزیمۃ: 3/263،رقم:1785]

سب سے بدترین چیز؛ دین کے نام پر بدعات وخرافات اور نت نئی چیزوں کی ایجاد ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں لے جانے والی چیز ہے۔

مزید یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد فتنوں اور گمراہیوں کی پیشن گوئی کی ہے، چنانچہ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی وہ مشہور حدیث جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر وشر بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''قوم يستنون بغير سنتي، ويهدون بغير هديي، تعرف منهم وتنكر، فقلت: فهل بعد ذلك الخير من شر، قال: نعم، دعاة على أبواب

جهنم، من أجابهم إليها قذفوا فيها. فقلت يا رسول الله، صفهم لنا، قال: نعم، قوم من جلدتنا ويتكلمون بألسنتنا...".[صحیح مسلم :6/20، رقم: 1847]

ایک زمانہ آئے گا کہ لوگ میری سنت کو ترک کر دیں گے اور میرا طریقہ چھوڑ دیں گے، ان کے اندر کچھ خیر کا پہلو ہوگا اور شر بھی ہوگا، حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کیا اس سے بھی بدترین زمانہ آئے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں، جہنم کی طرف بلانے والے داعی ہوں گے۔

یعنی یہ لوگ خود بھی بگڑے ہوں گے اور دوسروں کو بھی بگاڑ وفساد کی دعوت دیں گے، یہ بات تمام داعیوں کو شامل ہے، چاہے وہ رافضیت وخمینیت کی دعوت دے، یا خارجیت کی دعوت دے، یا اعتزال وتعطیل کی دعوت دے، غرضیکہ ہر وہ داعی اور دعوت جو منہج سلف کے خلاف ہے وہ اس حدیث میں داخل ہے۔

اور یہ گمراہی کی دعوت دینے والے ہم میں سے ہوں گی اور ہماری زبان ہی بولیں گے۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدعت اور اہل بدعت کے خلاف بہت ہی سخت موقف اختیار کیا، چنانچہ خوارج کے بارے میں کہا: "لئن أدركتهم لأقتلنهم قتل ثمود". [صحیح بخاری :4/ 137، رقم:3344، 8/37، رقم:6163]

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوارج کی عبادت کا ذکر کیا، ان کی نماز، روزوں اور تلاوت قرآن کا ذکر کیا، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے کہا کہ خوارج اس کثرت کے ساتھ عبادت کریں گے کہ تم (صحابہ کرام کی جماعت) اپنی نماز، روزہ تلاوت اور دیگر عبادتوں کو ان کی عبادتوں کے سامنے ہیچ سمجھو گے... پھر کہا کہ اگر میں زندہ رہا اور ان کو پالیا تو انہیں قوم ثمود کی طرح قتل کروں گا...

آپ غور فرمائیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بہت ہی عبادت گذار بتایا، نماز روزہ اور تلاوت قرآن پاک کا پابند بتایا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں قتل کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ بدعت کتنی سنگین اور خطرناک شے ہے کہ بدعتی کی عبادت وریاضت سب رائیگاں ہوجاتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اسی موقف پر سختی کے ساتھ قائم رہے، چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب صبیغ بن عسل نامی شخص نے قرآن مجید کے متعلق بعض شکوک وشبہات پھیلانا شروع کیا تو عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بلا کر خوب پٹائی کی، اور لوگوں کو اس کے ساتھ بات چیت کرنے اور اٹھنے بیٹھنے سے منع فرمادیا۔[تاریخ دمشق:23/408-414]

علی رضی اللہ عنہ نے خوارج سے جہاد کیا اور انہیں کیفر کردار تک پہنچایا، ان میں سے بیشتر کو قتل کر دیا۔[الکامل فی التاریخ:2/714-723]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے قدریہ سے براءت و بیزاری کا اظہار کیا۔[صحیح مسلم:1/28، رقم:8]

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے احقاق حق اور ابطال باطل کی خاطر خوارج سے مناظرہ کیا، جس کے نتیجے میں دو ہزار خوارج نے خارجیت سے توبہ کی۔[المعرفۃ والتاریخ:1/522-524]

بعد کے ادوار میں جب باطل جماعتوں اور گمراہ فرقوں کا زور بڑھنے لگا تو علمائے کرام باضابطہ اس تعلق سے کتابیں لکھ کر رد

کرنے لگے اور ان سے تحذیر کرنے لگے، چنانچہ امام احمد اور عثمان بن سعید الدارمی رحمہا اللہ نے جہمیوں کے ردمیں ''الرد علی الجہمیہ'' تالیف کی، اور جہمیہ کی اصطلاح میں معتزلہ، قدریہ، جبریہ، اور اشاعرہ بھی داخل ہیں، نیز امام دارمی رحمہ اللہ نے بشر المریسی کی تردید میں ایک مستقل رسالہ تالیف کیا۔

نیز دیگر اہل علم نے بھی جیسے امام بخاری، امام ابو داود، امام ابن ماجہ، امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم وغیرہم رحمہم اللہ اہل بدعت پر خوب خوب ردکیا اور ہمیشہ امت کو ان سے تحذیر کرتے رہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنی پوری زندگی معتزلہ، اشاعرہ، جہمیہ، روافض اور خوارج وغیرہ پر رد کرتے رہے، ان کی زیادہ تر تالیفات ردود اور باطل فرقوں سے تحذیر سے متعلق ہی ہیں۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ رب العالمین کی یہ سنت رہی ہے کہ اہل حق اہل باطل کے مقابلے میں ہمیشہ کم ہی رہے ہیں، اللہ رب العالمین نے فرمایا: ﴿وَمَآ أَكۡثَرُ ٱلنَّاسِ وَلَوۡ حَرَصۡتَ بِمُؤۡمِنِينَ﴾ [یوسف: ۱۰۳] نیز فرمایا: ﴿وَقَلِيلٞ مِّنۡ عِبَادِيَ ٱلشَّكُورُ﴾ [سباء: ۱۳]

اللہ رب العالمین کو اپنا وہ وعدہ بھی پورا کرنا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دین اور اس کے حقیقی ماننے والے اجنبیت کا شکار ہو جائیں گے، اور دین میں اجنبیت یہ ہے کہ معروف اور خیر وبھلائی کی بات کو منکر اور برا تصور کیا جائے، منکر اور بری بات کو خیر وبھلائی کا راستہ سمجھا جائے، سنت کو بدعت کا نام دیا جائے اور بدعت سنت کی جگہ لے لے، اہل سنت کی سرزنش کی جائے اور ان پر بے جا زیادتی وسختی کی جائے، اہل بدعت اپنے اتحاد واتفاق کیلئے اہل سنت کو ہر طرح سے ایذا وتکلیف دینے لگیں، جب کہ اہل بدعت تا قیامت متفق نہیں ہو سکتے... ایسے میں اہل سنت کا طبقہ کتاب وسنت اور منہج سلف پر ہمیشہ قائم رہے گا، تاہم انہیں ہمیشہ اہل بدعت اور گمراہ فرقوں کی عداوت ودشمنی کا سامنا رہے گا، اہل سنت ہمیشہ ان بدعتیوں سے نبرد آزما رہیں گے۔ [الاعتصام: 1/30]

موجودہ زمانے میں بھی حقیقی اسلام اور سلفیت بدعت اور اہل بدعت کے نرغے میں ہے۔ خوارج، اشاعرہ، معتزلہ، روافض، اور ان سب کا معجون مرکب اخوانیت، دیوبندیت، بریلویت، منکرین سنت سب کے سب اپنے اپنے افکار ونظریات کی نشر واشاعت کیلئے کوشاں ہیں، سنت اور اہل سنت کے زور کو ختم کرنے کیلئے اپنا پورا زور لگائے ہوئے ہیں، ہر دن ایک نیا شبہ جنم لیتا ہے، عوام الجھن در الجھن میں مبتلا ہوتی جا رہی ہے۔ اہل حدیث عوام تو عوام خواص کی ایک معتد بہ تعداد بھی اغیار کی زبان میں گفتگو کرنے لگے ہیں۔ اہل سنت کے لبادے میں کچھ سہولت کار سلفیت کے خلاف ہر محاذ پر برسر پیکار نظر آتے ہیں۔ بدعتیوں سے تعامل کے متعلق جو مسائل سلف صالحین کے مابین متفق علیہ اور مجمع علیہ تھے انہیں سن کر ان کی پیشانیوں پر بھی بل آجاتے ہیں جو اپنی نسبت سلفیت کی طرف کرتے ہیں۔ بعض لوگوں کے نزدیک سلف صالحین طریقہ کار فرسودہ ہو چکا ہے، ان کی تعلیمات دور حاضر سے متناقض ومتعارض ہیں۔

قدم قدم کھلے ہوئے ہیں مکر وفن کے مدرسے

ایسی صورت میں اہل حق کی ذمہ داری بنتی ہے بلکہ داعیان حق پر واجب ہو جاتا ہے کہ احقاق حق کا پرچم بلند کریں اور فرمان

الٰہی: ﴿بَلۡ نَقۡذِفُ بِٱلۡحَقِّ عَلَى ٱلۡبَٰطِلِ فَيَدۡمَغُهُۥ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٞ﴾[الانبیاء:۱۸]

جب ہم حق بیان کریں گے تو باطل مٹ جائے گا۔

کو اپنی زندگی کا اصل مشن بنالیں، کیونکہ یہی مشن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا تھا، ان کے بعد سلف صالحین کا تھا، جن میں امام احمد رحمہ اللہ سے لے کر شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن القیم، ذہبی، ابن کثیر، ابن رجب، محمد بن عبد الوہاب، نواب صدیق حسن خان، مولانا اسماعیل سلفی، شیخ ابن باز، ابن عثیمین، ناصر الدین الالبانی، مقبل الوادعی، ربیع بن ہادی تک کے تمام سلفی علمائے کرام رحمہم اللہ کا رہا ہے۔

ان اہل علم کا خاص امتیاز بدعت اور اہل بدعت پر سختی سے رد کرنا، ہر قسم کی بدعی تاویل وتحریف سے دین حنیف کی حفاظت کرنا، اہل بدعت کے گمراہ کن شبہات پر کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اقوال وتعامل سے رد کرنا تھا۔

یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

اگر ہم چاہتے ہیں کہ کتاب اللہ کے وہ معانی ومفاہیم محفوظ رہیں جو عہد صحابہ میں موجود تھے، سنت رسول کا پرچم بلند رہے، صحابہ کرام کا منہج پھلتا پھولتا رہے، سلف صالحین کا طریقہ لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنتا رہے تو بدعت اور اہل بدعت پر اسی طرح سختی سے رد کرنا ہوگا جیسا کہ سلف صالحین رد کیا کرتے تھے، ان کے ساتھ وہی روش اختیار کرنی پڑے گی جو سلف صالحین اختیار کیا کرتے تھے۔

باطل نظریات وافکار اور اہل باطل سے تحذیر سے متعلق سلف صالحین کا موقف:

اللہ رب العالمین نے فرمایا: ﴿وَإِذَا رَأَيۡتَ ٱلَّذِينَ يَخُوضُونَ فِيٓ ءَايَٰتِنَا فَأَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ حَتَّىٰ يَخُوضُواْ فِي حَدِيثٍ غَيۡرِهِۦۚ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ ٱلشَّيۡطَٰنُ فَلَا تَقۡعُدۡ بَعۡدَ ٱلذِّكۡرَىٰ مَعَ ٱلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ﴾[الانعام:۶۸]

”اور جب آپ ان کو لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہوجائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں اور اگر آپ کو شیطان بھلا دے تو یاد آنے کے بعد پھر ایسے ظالم لوگوں کے ساتھ مت بیٹھیں“۔

نیز اللہ رب العالمین نے فرمایا:

﴿وَقَدۡ نَزَّلَ عَلَيۡكُمۡ فِي ٱلۡكِتَٰبِ أَنۡ إِذَا سَمِعۡتُمۡ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ يُكۡفَرُ بِهَا وَيُسۡتَهۡزَأُ بِهَا فَلَا تَقۡعُدُواْ مَعَهُمۡ حَتَّىٰ يَخُوضُواْ فِي حَدِيثٍ غَيۡرِهِۦٓ إِنَّكُمۡ إِذٗا مِّثۡلُهُمۡۗ إِنَّ ٱللَّهَ جَامِعُ ٱلۡمُنَٰفِقِينَ وَٱلۡكَٰفِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا﴾[النساء:۱۴۰]

”اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے“۔

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ:

”دخل في هذه الآية كل محدث في الدين وكل مبتدع إلى يوم القيامة“.

”ہر بدعتی اور دین میں نت نئی چیزیں ایجاد کرنے والا

قیامت تک کیلئے اس آیت کے حکم میں داخل ہے"۔[تفسیر البغوی: 2/301]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل بدعت پر رد کرنے والا مجاہد ہوتا ہے، بعض سلف کہتے ہیں: سنت کا دفاع جہاد فی سبیل اللہ سے بھی افضل ہے۔[مجموع الفتاوی: 4/13]

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض اہل علم کہا کرتے تھے کہ: اللہ رب العالمین اہل بدعت کی نماز، روزہ، صدقہ، جہاد، حج، عمرہ، فرائض و نوافل کسی بھی چیز کو قبول نہیں فرماتا، سلف صالحین اہل بدعت پر بہت سختی کیا کرتے تھے، ان کے دل بدعتیوں سے متنفر تھے اور انہیں وہ سخت نا پسند کرتے، ان کی بدعتوں سے لوگوں دور رہنے کی تلقین کرتے، اگر یہ بدعتی اپنی بدعت کو چھپالیں تو کسی کو بھی اس کے بارے میں علم نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ان کا پردہ فاش ہوسکتا ہے، اللہ ہی ان کی پکڑ کرسکتا ہے یا انہیں توبہ کی توفیق دے سکتا ہے، لیکن جب یہ لوگ علانیہ بدعت کا اظہار کریں، اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دیں تو پھر ایسے وقت میں علم کی نشر و اشاعت مردہ دلوں کیلئے حیات نو ہے، اور سنت رسول کی تبلیغ و ترویج اللہ کی رحمت کے حصول کا وہ ذریعہ ہے جس سے ہر بدعتی اور ملحد کا قلع قمع کیا جاسکتا ہے۔[البدع والنہی عنہا ص:27]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: بدعت کفر کا دروازہ ہے، وہیں سے کفر جنم لیتا ہے، جب کہ سنت رسول ایمان کا مظہر اور دین کی قوت کا ذریعہ ہے۔[مجموع الفتاوی: 10/565]

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے جب بھی کسی سے مناظرہ کیا تو کبھی میری خواہش نہیں رہی کہ اس سے غلطی ہو سوائے بدعتی کے کہ ہمیشہ میری یہ خواہش رہی کہ بدعتی غلطی کرے تا کہ اس کی ضلالت و گمراہی کا پردہ لوگوں کے سامنے چاک ہو سکے۔[المقفی الکبیر: 5/213]

علامہ اسماعیل الصابونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل بدعت کے زور کو ختم کرنے، انہیں ذلیل و رسوا کرنے، انہیں دور کرنے، ان کی صحبت و ہم نشینی سے دوری اختیار کرنے، اور ان سے قطع تعلقی کرنے پر سلف صالحین کا اتفاق ہے۔[عقیدۃ السلف وأصحاب الحدیث: ص: 315-316]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ صوفیوں کے گمراہ کن نظریات اور افکار کے متعلق فرماتے ہیں: اس قسم کے افکار و نظریات حد درجہ باطل ہیں...اور اس پر رد کرنا اور نکیر کرنا واجب ہے، بلکہ اس قسم کے باطل افکار و نظریات پر رد کرنا بسا اوقات یہود و نصاریٰ کے دین پر رد کرنے سے زیادہ بہتر ہے، کیونکہ یہود و نصاری کے دین سے مسلمان گمراہ نہیں ہوتے، جبکہ ان بدعتیوں کے افکار و نظریات مسلمانوں کو ضلالت و گمراہی کی ڈگر پر ڈال دیتے ہیں۔[مجموع الفتاوی: 2/359، بتصرف]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بدعتیوں کی گمراہیوں کو کھل کر بیان کرنا، اور امت مسلمہ کو اس سے بچنے کی تلقین کرنا واجب ہے، اس کے وجوب پر مسلمانوں کا اتفاق ہے، چنانچہ امام احمد رحمہ اللہ سے کہا گیا: ایک شخص روزہ رکھتا ہے، نماز پڑھتا ہے، اعتکاف کرتا ہے وہ آپ کو زیادہ محبوب ہے یا پھر وہ شخص جو اہل بدعت کی گمراہیوں کو واضح کرتا ہے اور ان سے لوگوں کو دور رہنے کی تلقین کرتا ہے وہ بہتر ہے؟ امام احمد نے

فرمایا: نماز، روزہ اور اعتکاف کرنے والا صرف اپنی ذات کو فائدہ پہنچا رہا ہوتا ہے، اور جو شخص اہل بدعت پر اور ان کے شبہات پر رد کرتا وہ عام مسلمانوں کے فائدے کی بات کرتا ہے، امام احمد کی بات سے پتہ چلتا ہے کہ اہل بدعت پر رد کرنے سے عام مسلمانوں کا دینی فائدہ ہوتا ہے، بلکہ یہ جہاد فی سبیل اللہ کے قبیل سے ہے، کیونکہ اللہ کے دین، اس کے راستے اور شریعت کو ان بدعات وضلالات سے پاک کرنا اور کتاب وسنت پر ان بدعتیوں کے ظلم وعدوان کو روکنا فرض کفایہ ہے، اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ اگر اللہ رب العالمین اہل سنت کے علمائے کرام کو ان بدعتیوں کے شبہات اور ضلالت وگمراہی پر رد کرنے کی توفیق نہیں دیتا تو دین میں بگاڑ پیدا ہو جاتا، بلکہ بدعت اور اہل بدعت سے دین میں جو فساد و بگاڑ پیدا ہوتا ہے اتنا بگاڑ تو اس وقت بھی پیدا نہیں ہوتا جس وقت دشمن مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لے، کیونکہ دشمنان اسلام جیسے یہود و نصاریٰ اور کفار و مشرکین جب مسلمانوں پر غلبہ حاصل کرتے ہیں تو ابتدا سے ہی مسلمانوں کے ایمان ویقین اور دین میں فساد و بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش نہیں کرتے، بلکہ گزرتے وقت کے ساتھ بگاڑ پیدا ہوتا ہے، لیکن اہل بدعت اول وہلہ سے ہی مسلمانوں کے دین وعقیدہ اور ایمان و یقین پر حملہ کرتے ہیں اور اس میں فساد و بگاڑ پیدا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔[مجموع الفتاوی:28/231-232]

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سلف صالحین نے بدعت اور اہل بدعت پر سختی سے نکیر کی، بلکہ روئے زمین کے ہر کونے میں سلف صالحین نے اہل بدعت کے خلاف یہی موقف اپنایا، ان بدعتیوں کے فتنے سے لوگوں کو سختی کے ساتھ دور رہنے کیلئے کہا۔ بدعت اہل و بدعت سے تحذیر میں سلف صالحین نے جو شدت اختیار کی وہ شدت فواحش ومعصیات اور ظلم وعدوان سے تحذیر میں نہیں دیکھی گئی، اور اس تفریق کا بنیادی سبب یہی تھا کہ بدعتیں اور اہل بدعت دین کو منہدم کر دیتے ہیں، (جب کہ معصیت اور اہل معصیت ایسا نہیں کرتے)۔[مدارج السالکین:1/378]

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جو (اہل بدعت) کی جانب اپنا انتساب کرے، یا ان کا دفاع کرے، یا ان کی تعریف کرے، یا ان کی کتابوں کی تعظیم کرے، یا ان کی مدد اور تعاون کرے، یا ان کی تردید میں کلام کرنے کو ناپسند کرے، اور ان کی غلطیوں کیلئے طرح طرح کے عذر لنگ تلاش کرے، ایسے تمام لوگوں کو سزا دینا ضروری رہے، بلکہ ان لوگوں کو بھی سزا دینا ضروری ہے جو ایسے باطل پرستوں اور گمراہ کن افکار ونظریات والے لوگوں کو جانتے ہیں لیکن ان کے خاتمہ کہ کوشش نہیں کرتے اور نہ ہی کوشش کرنے والوں کی مدد کرتے ہیں، جبکہ باطل پرست اور گمراہ کن افکار ونظریات والوں کا خاتمہ بہت ہی اہم فریضہ ہے، انہی لوگوں نے بعض علما، مشائخ، امرا اور بادشاہوں کے دین میں فساد و بگاڑ پیدا کیا ہے، یہ لوگ زمین میں ہر سو فساد پھیلاتے ہیں اور لوگوں کو صراط مستقیم سے روکتے ہیں۔۔۔۔[مجموع الفتاوی:2/132]

شیخ بکر ابو زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ کلام گرچہ اتحادیہ فرقہ کے بارے میں ہے، لیکن یہ حکم تمام بدعتی فرقوں پر منطبق ہوگا، بلکہ ہر اس شخص پر منطبق ہوگا جو بدعتی کی مدد کرے، یا اس کی تعظیم کرے، یا اس کے کتاب کی تعظیم کرے، یا ان بدعتیوں کی کتابوں اور ان کے افکار ونظریات کی مسلمانوں

کے مابین نشر واشاعت کرے، یا اسے خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرے، نیز ان کی بدعتوں کی ترویج واشاعت کرے، اور ان بدعتیوں کے عقیدے، اعمال، اقوال اور ان کی کتابوں میں جو گمراہیاں ہیں وہ انہیں بیان نہ کرے... ایسے شخص کے شر وفساد پر قدغن لگانا ضروری ہے تاکہ اسے دیکھ کر دیگر مسلمان اس میں مبتلا نہ ہوجائیں۔

ہمارے زمانے میں کچھ ایسے نمونے پائے جاتے ہیں جو بدعتیوں کی تعظیم کرتے ہیں، ان کی کتابوں اور مضامین کی نشر و اشاعت کرتے ہیں، اور ان بدعتیوں کی ضلالت و گمراہی اور بدعقیدگی کو لوگوں کے سامنے بیان بھی نہیں کرتے، اس قسم کے ''بدعتی ابوجہل'' سے بچ کر رہنا چاہئے۔[ہجر المبتدع:ص:60]

اسد بن موسی رحمہ اللہ نے اسد بن فرات رحمہ اللہ کو ایک عظیم خط لکھا، اور کہا: میں یہ خط لکھنے پر اس وقت مجبور ہوا جب تمہارے شہر کے لوگوں نے بتایا کہ تم اپنے شہر میں سنت رسول کی نشر واشاعت بڑے شد ومد سے اور کھل کر کر رہے ہو، اور اہل بدعت کی خرابیوں اور گمراہیوں کو بے باکانہ انداز میں بیان کر رہے ہو، ان پر بہترین انداز میں رد کر رہے ہو، اور تمہارے انہی کوششوں کا نتیجہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے تمہارے ذریعہ اہل بدعت کو ذلیل کیا، اور ان بدعتیوں کے لیے حالات اس قدر ناگفتہ بہ ہوگئے کہ انہیں اپنے بلوں میں چھپنا پڑا، اپنی اصلیت چھپانی پڑی، اللہ رب العالمین تمہارے ذریعہ بدعت اور اہل بدعت کا قلع قمع کرے، اور مزید ان بدعتیوں کی گمراہیوں کو بیان کرنے اور ان سے عوام کو تحذیر کرنے کی تمہیں قوت عطا کرے، اور میرے بھائی جو تم یہ کام کر رہے ہو اس کا اجر وثواب (نفلی) نماز روزہ اور حج زکاۃ سے بھی زیادہ ہے، کیونکہ کتاب اللہ کی نشر و اشاعت اور سنت رسول کا احیاء یقیناً ان نفلی عبادات سے بڑھ کر ہے۔[البدع والنہی عنہا:ص:28]

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ایک فرقہ اپنی گمراہیوں کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہا ہو، اور اپنی ضلالت و گمراہی پر حق وصواب کا حسین غلاف چڑھا کر عوام الناس کو گمراہ کر رہا ہو، اس قسم کے لوگ مسلمانوں کیلئے ابلیس کی طرح خطرناک اور نقصاندہ ہوتے ہیں، یہ لوگ انسانی شکل میں شیطان ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کو صراحت کے ساتھ بدعتی کہنا اور ان گمراہیوں کو طشت از بام کرنا ضروری ہوتا ہے۔[الاعتصام:2/731]

باطل فرقے اور اہل بدعت کے تئیں اہل حق کے دعات پر درج ذیل ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں:

1۔ بدعت وسنت کے درمیان تفریق، بدعت اور اہل بدعت کے ضرر ونقصانات کا علم، اور شریعت کا ان کے متعلق کیا موقف ہے اس کا علم حاصل کرنا نہایت ضروری ہے، اور علم، اللہ کی کتاب، سنت رسول اور اقوال سلف صالحین کا نام ہے۔[نونیۃ ابن القیم:ص:226]

حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنْ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَاءَنَا اللَّهُ بِهَذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ شَرٌّ قَالَ نَعَمْ فَقُلْتُ هَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ قَالَ نَعَمْ وَفِيهِ دَخَنٌ قُلْتُ وَمَا

دَخَنُهُ قَالَ قَوْمٌ يَسْتَنُّونَ بِغَيْرِ سُنَّتِي وَيَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ فَقُلْتُ هَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ قَالَ نَعَمْ دُعَاةٌ عَلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ صِفْهُمْ لَنَا قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ فَمَا تَرَى إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ قَالَ تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ فَقُلْتُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ قَالَ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ عَلَى أَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ".

لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خیر کے متعلق سوال کرتے تھے، اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شر کے متعلق پوچھا کرتا تھا اس خوف سے کہیں میں اس میں مبتلا نہ ہو جاؤں، چنانچہ میں نے دریافت کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہم جاہلیت اور شر میں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خیر (اسلام) عطا کیا، تو کیا اس خیر کے بعد پھر سے شر ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں۔'' میں نے کہا: کیا اس شر کے بعد پھر خیر ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، لیکن اس (خیر) میں کچھ دھندلاہٹ ہوگی۔'' میں نے عرض کیا: اس کی دھندلاہٹ کیا ہوگی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ایسے لوگ ہوں گے جو میری سنت کے بجائے دوسرا طرزِ عمل اختیار کریں گے اور میرے نمونہ عمل کے بجائے دوسرے طریقوں پر چلیں گے، تم ان میں اچھائی بھی دیکھو گے اور برائی بھی دیکھو گے۔'' میں نے عرض کی: کیا اس خیر کے بعد، پھر کوئی شر ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہو کر بلانے والے لوگ پیدا ہوں گے، جو ان کی بات مان لے گا وہ اس کو جہنم میں پھینک دیں گے۔'' میں نے عرض کی: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ہمارے سامنے ان کی (بری) صفات بیان کیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں، وہ لوگ بظاہر ہماری طرح کے ہوں گے اور ہماری ہی طرح گفتگو کریں گے۔'' میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! اگر وہ زمانہ میری زندگی میں آ جائے تو میرے لیے کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم مسلمانوں کی جماعت اور مسلمانوں کے امام کے ساتھ وابستہ رہنا۔'' میں نے عرض کی: اگر اس وقت مسلمانوں کی جماعت ہو نہ امام؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تم ان تمام فرقوں (بٹے ہوئے گروہوں) سے الگ رہنا، چاہے تمہیں درخت کی جڑیں چبانی پڑیں یہاں تک کہ تمہیں موت آئے تو تم اسی حال میں ہو۔'' [صحیح مسلم: 6/20، رقم: 1857]

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ خیر کے ساتھ شر کے بارے میں جاننا بھی ضروری ہے تاکہ اس سے بچا جا سکے اور دوسروں کو اس سے بچنے کی تلقین کی جا سکے۔۔

بدعت اور اہل بدعت کے فاسد اصول وضوابط، اور ان پر رد ونکیر کے طریقہ کار کو جاننے کیلئے ان اہل علم کی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے جنہوں نے سلف صالحین کے نہج پر اس میدان میں عملی طور پر کام کیا ہے، جیسے امام احمد رحمہ اللہ کی کتاب اصول السنہ، امام آجری کی کتاب ''الشریعۃ''، امام بربہاری کی کتاب ''شرح السنۃ''، امام لالکائی کی کتاب ''شرح اعتقاد اہل السنۃ'' امام ابن بطہ کی کتاب ''الابانۃ''، نیز شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ابن القیم، اسماعیل سلفی رحمہم اللہ کی کتابیں پڑھنا سمجھنا اور پھر مصلحت ومفسدت کا خیال رکھتے ہوئے اس کی تطبیق دینا ضروری ہے،

آپ اور ہم داعی ہیں تو یقین جانیں کہ داعی کے پڑھنے اور مطالعہ کرنے کا سلسلہ بالکل بھی نہیں رکنا چاہیے، بالخصوص مندرجہ بالا کتابوں کا مطالعہ ضروری ہونے کے ساتھ ساتھ مفید بھی ہے، نیز اہل بدعت شبہات واعتراضات کا جونشتر چلاتے ہیں ان سے مقابلہ کیلئے جن ہتھیار کا جمع کرنا ضروری ہے وہ انہیں کتابوں میں موجود ہیں، اگر آپ اور ہم اہل بدعت وضلالت سے مقابلہ کیلئے بلاہتھیار میدان میں اتریں گے تو ان کا مقابلہ تو کجا ہم خود اپنا دفاع نہیں کر پائیں گے۔

مزید یہ کہ ہم میں سے بعض بڑے نام جو گاہے گاہے منہجی تحریر وتقریر پر شوشہ چھوڑتے ہیں اور اپنے لوگوں کو شکوک وشبہات میں مبتلا کرتے ہیں یا کم از کم انہیں ان مسائل میں تردد کا شکار بناتے ہیں ایسے ناعاقبت اندیش لوگوں کے اشکالات کا تشفی بخش جواب سلف صالحین کی مذکورہ کتابوں میں مفصل انداز میں پائیں گے، بلکہ یہ کہنے اور سننے میں کوئی عار نہیں ہونا چاہئے کہ اہل حدیثوں میں موجود بڑے ناموں کو بھی سلف صالحین کی ان کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے اور ان میں موجود عقیدہ ومنہج کی تبلیغ واشاعت بڑے پیمانے پر کرنی چاہئے۔

2۔ ان کے شبہات و اعتراضات کا جواب تحریری یا تقریری طور پر مفصل اور دوٹوک انداز میں دینا....

چنانچہ عبداللہ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُّونَ، وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِهِ، ثُمَّ إِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ، وَيَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ، فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ، وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ".

"اللہ نے مجھ سے پہلے کسی امت میں جتنے بھی نبی بھیجے، ان کی امت میں سے ان کے کچھ حواری اور ساتھی ہوتے تھے، جو ان کی سنت پر چلتے اور ان کے حکم کی اتباع کرتے تھے، پھر ایسا ہوتا تھا کہ ان کے بعد نالائق لوگ ان کے جانشیں بن جاتے تھے، وہ (زبان سے) ایسی باتیں کہتے جن پر خود عمل نہیں کرتے تھے، اور ایسے کام کرتے تھے جن کا ان کو حکم نہ دیا گیا تھا، چنانچہ جس نے ان (جیسے لوگوں) کے خلاف اپنے دست و بازو سے جہاد کیا، وہ مومن ہے اور جس نے ان کے خلاف اپنی زبان سے جہاد کیا، وہ مومن ہے، اور جس نے اپنے دل سے ان کے خلاف جہاد کیا وہ بھی مومن ہے، (لیکن) اس سے پیچھے رائی کے دانے برابر بھی ایمان نہیں۔" [صحیح مسلم:1/69،رقم:50]

ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جہاد کی دو قسمیں ہیں:

1۔ہاتھ اور تلوار سے جہاد۔

2۔حجت ودلائل وبراہین کے ذریعہ جہاد، اور یہ دوسرے قسم کا جہاد بہت خاص ہے... کیونکہ یہی ائمہ کرام کا جہاد ہے، اور جہاد کی یہ قسم پہلی قسم سے افضل ہے، کیونکہ اس کا فائدہ بہت عظیم ہے، اور اس کی ضرورت بھی بہت زیادہ ہے، اللہ رب العالمین نے فرمایا: ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَّذِيرًا ۝٥١ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا﴾ [الفرقان:

[۵۱-۵۲]

اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک ڈرانے والا بھیج دیتے، لیکن ہم نے ایسا نہیں کیا اور صرف آپ کو ہی تمام بستیوں بلکہ تمام انسانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجا ہے، پس آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور قرآن کے ذریعے ان سے پوری طاقت سے بڑا جہاد کریں۔

کفار کے ساتھ یہ جہاد قرآن مجید کے ذریعہ تھا، اور یہ دونوں قسموں کے جہاد میں سب سے بڑا جہاد ہے، اور یہی جہاد منافقوں کے ساتھ بھی نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کرتے رہے، کیونکہ منافقین سے مسلمانوں کی کبھی بھی تلوار کے ساتھ میدانی جنگ نہیں ہوئی، جبکہ اللہ رب العالمین نے ان کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِيُّ جَٰهِدِ ٱلۡكُفَّارَ وَٱلۡمُنَٰفِقِينَ وَٱغۡلُظۡ عَلَيۡهِمۡ﴾ [التوبۃ:۷۳]

''اے نبی ﷺ! کافروں اور منافقوں سے جہاد جاری رکھیں، اور ان پر سخت ہو جائیں''۔

اور یہ بات بدیہی طور پر معلوم ہے کہ منافقین کے خلاف کیا جانے والا جہاد حجت و برہان اور دلائل قرآن کے ذریعہ تھا۔[مفتاح دارالسعادۃ:1/191]

3۔عوام الناس میں صحیح عقیدہ ومنہج کی نشر واشاعت کرنا۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف داعی بنا کر بھیجتے وقت حکم دیا تھا کہ:

''فليكن أول ما تدعوهم إلى أن يوحدوا الله''.

''اپنی دعوت کا آغاز عقیدہ توحید سے کرنا، لوگوں کو اللہ کی وحدانیت سکھانا''۔[صحیح بخاری:9/114،رقم:7372]

4۔ ولاء وبراء کے مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کرنا۔

اللہ کے دشمنوں سے، اعداء دین سے، منکرین سنت سے، اہل بدعت وضلالت سے کتنا کب اور کیسا تعلق رکھنا ہے، کن بنیاد پر رکھنا ہے، اس تعلقات کے دینی وشرعی نقصانات یا فوائد کیا ہیں، مصالح ومفاسد کو مدنظر رکھتے ہوئے ان گمراہ افکار ونظریات اور منحرفین سے تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی ان سب کی تفصیلی وضاحت صرف اور صرف کتاب وسنت اور آثار سلف صالحین کی روشنی میں کرنا۔

5۔سہولت کاروں کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا:

سہولت کاری کے ہر دروازے کو بند کرنا ہوگا، اور ہر سہولت کار کی سخت خبر لینی ہوگی کیوں کہ داعیان اہل حق کو جتنی اذیت اپنے درمیان موجود سہولت کاروں سے ہوتی اتنی تکلیف شاید دوسروں سے نہیں ہوتی..

سہولت کار کسے کہتے ہیں؟

سہولت کار وہ شخص ہوتا ہے جو اپنا انتساب حق اور اہل حق کی طرف کرتا ہے، لیکن جس وقت اہل حق نصرت و مدد کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس وقت پیچھے ہٹ جاتا ہے، اور جب حق بولنے کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس وقت خاموش رہتا ہے بلکہ اہل بدعت کے تعلق سے نرم رویہ اپناتا ہے اور اخلاق کی جھوٹی تلوار سے اہل حق کے علما پر وار کرتا رہتا ہے۔ جب کبھی اہل علم اہل بدعت اور اہل باطل پر رد کرتے ہیں وہ انہیں تشدد اور غلو کے راستے پر سمجھتا ہے، اور خود کو حکیم ودانا اور مصلحت پسند سمجھتا ہے۔

اہل بدعت و اہل باطل پر رد کرنے کے بجائے وہ اہل حق علمائے کرام کے پر اپنا نزلہ جھاڑتا ہے اور انہی کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالتا رہتا ہے۔

یہ سہولت کار حق پرست داعیوں اور اہل باطل و اہل بدعت کے خلاف برسر پیکار علمائے کرام کو مختلف القاب سے نوازتے ہیں، اتحاد امت کی دہائی دیتے ہیں، اپنی کی صفوں میں شگاف کا رونا روتے ہیں، نرمی کے نام پر مداہنت پرستی کی دعوت دیتے ہیں، جب بھی کسی فتنے پر علمائے کرام قلم اٹھاتے ہیں ان کے خلاف بدعتیوں اور باطل پرستوں سے قبل یہی سہولت کار علم بغاوت بلند کرتے ہیں، علمائے کرام کے طریقہ کار کو شدت اور غلو کا نام دیتے ہیں اور اپنی رذالت کو اعتدال سے متصف کرتے ہیں، ایسے لوگوں کے بارے میں شیخ بکر ابو زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سہولت کاری کی بیماری پھیلنے کے متعدد اسباب ہیں، جیسے، کم علمی، کوتاہ فہمی، شجاعت و بہادری کی کمی، دنیا اور اہل دنیا سے لگاؤ...

مزید فرماتے ہیں: اللہ کے واسطے یہ بتا دو کہ جب باطل پرست اپنے باطل افکار و نظریات کا پرچار کر رہے ہوں اور اہل سنت میں سے کچھ لوگ خاموش رہیں، اور کچھ لوگ سہولت کاری کر کے حق پرست علمائے کرام کی محنتوں پر پانی پھیرنے کا کام کریں تو پھر حق کیسے واضح ہوگا؟ پھر تو ہر طرف اہل بدعت اور اہل باطل سر چڑھ کر بولیں گے، دین حنیف پر بدعت کی دبیز چادر لپیٹ دی جائے گی، کتاب و سنت کے صحیح معانی و مفاہیم تغیر و تبدل کا شکار ہو جائیں گے، باطل اور بدعت پر خاموش رہنے پر حق اور مصلحت کا غلاف کیسے چڑھا دیا گیا؟

درحقیقت سہولت کاری اور سہولت کار دین اسلام کے خلاف لاشعوری طور پر مکر وفریب کر رہے ہیں۔ [الرد علی المخالف من أصول الاسلام: ص:18]

آخری بات:

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لا يمنعن أحدكم هيبة الناس أن يقول في حق إذا رآه، أو شهده، أو سمعه".

"لوگوں کی ہیبت اور ڈر سے، اور ان کے رعب و دبدبہ سے کوئی ایسی حق بات کہنے سے نہ رکے جسے اس نے خود سے دیکھا ہو، یا اس کا مشاہدہ کیا ہو، یا اسے سن رکھا ہو"۔ [مسند احمد 11017، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ: 1/325]

شیخ البانی رحمہ اللہ اس حدیث پر تعلیق لگاتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس حدیث میں لوگوں کے ڈر سے، یا روزی روٹی اور ذریعہ معاش چھوٹ جانے کے خوف سے، حق کو چھپانے کی تاکیدی طور پر ممانعت آئی ہے، چنانچہ جو شخص حق کو اس ڈر سے چھپاتا ہے کہ کہیں کوئی اسے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچائے، یا کوئی اس کے ساتھ مار پیٹ نہ کرے، یا گالیاں دے، یا وہ اپنی نوکری اور عہدہ و منصب سے ہاتھ نہ دھو بیٹھے، یا لوگ اس کا احترام کرنا اور اسے عزت دینا نہ چھوڑ دیں تو وہ اس حدیث کی ممانعت میں داخل ہے، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مخالف ہے۔ [سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ: 1/325]

منبر ومحراب

خطبہ جمعہ کی اہمیت اور اس کے تقاضے

● دکتور جاوید ندیم سنابلی مدنی (ممبئی)

دعوت دین میں خطبہ جمعہ کی اہمیت:

خطابت دعوت دین کا اہم وسیلہ ہے۔ خطابت کی اہمیت اس وقت مزید دوچند ہوجاتی ہے جب اس کا تعلق جمعہ کی نماز سے ہوجاتا ہے۔ خطبہ جمعہ کی چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ خطبہ جمعہ مسجد میں ہوتا ہے۔ جہاں ذکر الٰہی، سکینت ورحمت کے نزول اور فرشتوں کے وجود سے ماحول روحانی ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"مَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ". [صحیح مسلم، حدیث نمبر: 2699]

ترجمہ: "جو بھی قوم (جماعت) اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر یعنی مسجد میں جمع ہوکر کتاب اللہ کی تلاوت کرتی ہیں اور باہم اسے پڑھتی پڑھاتی ہے ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، انہیں اللہ کی رحمت ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کا ذکر ان لوگوں میں کرتا ہے، جو اس کے پاس رہتے ہیں"۔

2۔ خطبہ جمعہ میں ہر مسلمان کا حاضر ہونا واجب ہے۔ یعنی مدعو کو دین سیکھنے اور عبادت ادا کرنے کے لئے جمعہ کے دن مسجد میں حاضر ہونا لازم ہے۔ اس میں امیر وغریب، پڑھے لکھے اور کم تعلیم یافتہ؛ بزرگ، بڑے، چھوٹے سب حاضر ہوتے ہیں۔ الحمد للہ اہل حدیثوں کے یہاں سنت رسول ﷺ پر عمل کرتے ہوئے خواتین بھی جمعہ کے خطبہ اور نماز میں شریک ہوتی ہیں۔ عموما حاضرین کی ایسی تعداد اور تنوع کسی اور موقع پر مشکل سے ہوتی ہے؛ اس لئے خطیب کو دعوت دین بالخصوص عقیدہ توحید اور سنت کی نشر واشاعت کے لئے اس اہم موقع کو صحیح طور سے استعمال کرنا چاہئے۔

شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ خطباء کو اس جانب توجہ دلاتے ہوئے فرماتے ہیں: **"فلو استغل هذا المجال استغلالاً حسناً لأثمر خيراً؛ لأن الناس يجتمعون في بيت من بيوت الله بقلوبٍ مؤمنةٍ متطلعةٍ إلى التوجيه والتعليم، ومن هنا يجب أن يكون الإمام والخطيب على مستوى طيب من العلم والرغبة في الدعوة والتوجيه لينفع الله به".** [مجلۃ البحوث الاسلامیۃ، عدد 31، ص 16]

اگر خطبہ جمعہ کا ٹھیک طرح فائدہ اٹھایا جائے تو اس کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے؛ کیونکہ لوگ ایمان والے دلوں کے ساتھ رہنمائی اور تعلیم کے منتظر ہوتے ہیں۔ اس لیے امام اور مبلغ کے

پاس اچھی سطح کا علم اور دعوت کی رغبت ہونی چاہیے؛ تاکہ اللہ اس کے ذریعہ فائدہ پہونچائے۔

3۔خطبہ جمعہ مستمر ہوتا ہے، یعنی ہر ہفتہ ہوتا ہے۔ سال بھر میں مسلمان تقریبا (52) خطبے سنتا ہے۔ اگر خطیب اس کا بہترین استعمال کرے تو مسلمانوں کی زندگی یا ذہن وفکر میں مثبت تبدیلی آسکتی ہے۔[تفصیل کے لئے دیکھیں: خطبۃ الجمعۃ وأثرہا في تربیۃ الأمۃ، د. عبدالغنی أحمد جبر مزہر،ص166]

خطبہ جمعہ کے تقاضے:

خطبہ جمعہ کی اہمیت اور حساسیت کے پیش نظر اس کے متعدد اور متنوع تقاضے ہیں۔ ذیل میں انہیں پر مختصر انداز میں بیان کیا جارہا ہے۔

1۔خطیب کو سنت کے مطابق حالات اور ضرورت کا لحاظ کرتے ہوئے موضوع اختیار کرنا چاہئے، نبی کریم ﷺ کے خطبات جامع اور متنوع موضوعات پر مشتمل ہوا کرتے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں نبی ﷺ کے خطبے کے موضوعات سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"وَكَذَلِكَ كَانَتْ خُطْبَتُهُ ﷺ، إِنَّمَا هِيَ تَقْرِيرٌ لِأُصُولِ الْإِيمَانِ مِنَ الْإِيمَانِ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَلِقَائِهِ، وَذِكْرِ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ، وَمَا أَعَدَّ اللَّهُ لِأَوْلِيَائِهِ وَأَهْلِ طَاعَتِهِ، وَمَا أَعَدَّ لِأَعْدَائِهِ وَأَهْلِ مَعْصِيَتِهِ، فَيَمْلَأُ الْقُلُوبَ مِنْ خُطْبَتِهِ إِيمَانًا وَتَوْحِيدًا، وَمَعْرِفَةً بِاللَّهِ".[زاد المعاد:1/409]

اور اسی طرح نبی کریم ﷺ کے خطبے ہوا کرتے تھے۔ آپ کے خطبوں کا مقصد ایمان کے بنیادی اصولوں کو ثابت کرنا ہوتا تھا، یعنی اللہ پر ایمان، اس کے فرشتوں پر ایمان، اس کی کتابوں اور رسولوں پر ایمان، اور اللہ سے ملاقات (آخرت) پر ایمان۔ اسی طرح جنت اور جہنم کا ذکر، اور یہ بیان کرنا کہ اللہ نے اپنے فرماں بردار بندوں اور اولیاء کے لیے کیا انعامات تیار کیے ہیں، اور نافرمانوں اور دشمنوں کے لیے کیا عذاب تیار کیا ہے۔

آپ ﷺ کے خطبے دلوں کو ایمان وتوحید اور اللہ کی معرفت سے بھر دیتے تھے"۔

اس عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ صرف انہیں موضوعات پر خطبہ ہو۔ بلکہ خطیب حالات اور ضرورت کے وقت گفتگو کو ان امور سے جوڑے۔

2۔خطیب کا اسلوب سنت کے مطابق ہو۔ نہ بہت بلند ہو نہ آہستہ۔ نبی ﷺ کی سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ موضوع اور حالات کے اعتبار سے کبھی آپ کی آواز بلند ہوجایا کرتی جیسے خطرہ کے وقت ایک سپہ سالار اپنی فوج سے خطاب کرتا ہے۔

جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ، وَعَلَا صَوْتُهُ، وَاشْتَدَّ غَضَبُهُ. حَتَّى كَأَنَّهُ مُنْذِرُ جَيْشٍ".[مسلم نمبر:867]

"رسول اللہ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہوجاتیں، آواز بلند ہوجاتی، اور آپ کا غصہ شدت اختیار کرلیتا، یہاں تک کہ معلوم ہوتا گویا آپ کوئی لشکر کو خطرے سے آگاہ کرنے والے ہوں"۔

3۔خطبہ جمعہ کے تین حصہ ہوتے ہیں، مقدمہ، صلب موضوع اور خاتمہ، مقدمہ کی اہمیت یوں ہے کہ اس کے ذریعہ سامعین کی

آنے والی گفتگو صلب موضوع کے لیے ذہن سازی کی جاتی ہے، جیسے بیج بونے سے پہلے زمین ہموار کی جاتی ہے، اس لیے تمہید، مختصر، جامع اور موثر ہونی چاہئے، تاکہ سامعین ذہنی یکسوئی کے ساتھ آپ کی اصل گفتگو سن سکیں، پھر اصل موضوع اور اخیر میں گفتگو کا چند جملوں میں خلاصہ تاکہ جو پیغام اس گفتگو کے ذریعہ آپ دینا چاہتے ہیں وہ پھر سے تازہ ہوجائے۔

4۔خطبہ میں قرآن کریم کی آیات شامل ہوں:

خطیب کی گفتگو چاہے جتنی فصیح وبلیغ ہو، اس کا اسلوب کتنا ہی مؤثر اور مضبوط کیوں نہ ہو، مگر اس کی گفتگو کی تاثیر کبھی بھی اس درجہ کی نہیں ہوسکتی جو تاثیر قرآن مجید کی دلوں اور عقلوں پر ہوتی ہے۔ بھلا کلام الٰہی کے مقابلے میں کلام انسان کا کیا مقابلہ؟

اس لیے ضروری ہے کہ خطیب اپنے خطبے میں قرآنی آیات شامل کرے، تاکہ اس کا خطبہ خوبصورت، دلنشیں اور اثر انگیز ہو۔ اور اگر آیت اور اس سے استدلال مناسب وقت اور مناسب مقام پر ہو تو دلیل اور حجت کے لحاظ سے خطبہ نہایت ہی پر اثر ہوجاتا ہے۔

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ﴿يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِ رَبِّكُمْ﴾ [الزمر:۷۱] یعنی: وہ تم پر تمہارے رب کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کی طرف وہ تمہیں دعوت دیتے ہیں ان پر واضح دلائل اور براہین پیش کرتے ہیں۔ [تفسیر ابن کثیر: 66/4]

5۔خطبہ صحیح احادیثِ نبویہ پر مشتمل ہو:

احادیثِ نبویہ سے استدلال کرنا قرآن سے استدلال کی اہمیت سے کم نہیں ہے۔ کیونکہ سنت، قرآنِ کریم کی شارح ہے، وہ اس کے مجمل کو تفصیل کے ساتھ واضح کرتی ہے، اس کے عام احکام میں تخصیص کرتی ہے، اور اس کی توضیح وتکمیل کا سبب بنتی ہے۔ لہٰذا خطیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی رائے کو مضبوط بنانے اور اپنی دلیل کو پختہ کرنے کے لیے رسولِ اکرم ﷺ کی احادیث سے رہنمائی لے۔

6۔خطبہ جمعہ کی تیاری کے لیے خطیب کو وسیع مطالعہ کا اہتمام کرنا چاہئے، مستند کتب تفسیر، کتب احادیث اور اس موضوع پر سلف صالحین اور اہل علم کے اقوال تک اس کی رسائی ہو تاکہ اس کی معلومات صحیح ہوں، اور حالات حاضرہ پر سنی سنائی باتوں کے بجائے گہری نظر ہو، اس طرح وہ صحیح سمت میں لوگوں کی رہنمائی کرسکے گا۔ تیاری اور مستند معلومات کے بغیر کی جانے والی گفتگو ادھوری رہ جاتی ہے جس کے اثرات منفی ہوتے ہیں۔ ابن القیم رحمہ اللہ دعوت دین میں علمی تاصیل سے متعلق فرماتے ہیں:

''چونکہ دعوت الی اللہ بندہ کو سب سے اعلی اور افضل مرتبہ پر فائز کرتی ہے۔ یہ اعلی مقام بغیر ٹھوس علم کے حاصل نہیں کیا جاسکتا۔ [مفتاح دار السعادۃ ومنشور ولایۃ العلم والارادۃ، لابن القیم، 154/1]

7۔ خطبہ جمعہ میں معاشرے کی مختلف سماجی بیماریوں کا حکمت اور نرم گفتاری سے علاج کرنا چاہیے۔ خطیب لوگوں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرے۔ تواضع اختیار کرے۔ اپنے آپ کو لوگوں سے بلند سمجھتے ہوئے عوام سے شدت وتحقیر کے انداز میں گفتگو نہ کرے۔

نبی ﷺ نے دعوت دین میں سختی کرنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

"يَا عَائِشَةُ! إِنَّ اللَّهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاه". [صحیح مسلم، حدیث نمبر: 2594]

''اے عائشہ! بے شک اللہ تعالیٰ نرمی والا ہے اور نرمی ہی کو پسند کرتا ہے اور نرمی کی بنا پر وہ کچھ عطا فرماتا ہے جو درشت مزاجی کی بنا پر عطا نہیں فرماتا، وہ اسکے علاوہ کسی اور بات پر اتنا عطا نہیں فرماتا۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے دعوت دین کا کام کرنے والوں کو اہم نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ، وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ". [صحیح مسلم، حدیث نمبر: 2594]

''نرمی جس چیز میں بھی ہوتی ہے، اس کو زینت بخش دیتی ہے اور جس چیز سے بھی نرمی نکال دی جاتی ہے، اسے معیوب کر دیتی ہے۔''

واضح ہو کہ یہ نرمی انکار منکر میں ہو نہ کہ سنت رسول ﷺ سے تنازل میں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں رابطۂ عالم اسلامی کے تحت منعقدہ کانفرنس ''رسالۃ المسجد'' (15/رمضان 1395ھ تا 20/رمضان 1395ھ) کی سفارشات میں خطبۂ جمعہ کے مقاصد سے متعلق جو نکات بیان کیے گئے، ان کا مختصراً ذکر کیا جائے۔

''خطبۂ جمعہ کے مقاصد درج ذیل ہیں:

1۔ خطبۂ جمعہ عوام کو نصیحت کرنے، اللہ کی یاد دہانی، یوم آخرت اور حساب وجزاء کی تذکیر، خیر کی دعوت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ترغیب پر مشتمل ہو۔

2۔ قرآن وسنت کی روشنی میں مسلمانوں کو دین سکھانے اور اخلاق وآداب کی حفاظت کی طرف متوجہ کرنے پر مشتمل ہو، تاکہ انہیں افراط وتفریط سے بچایا جاسکے۔

3۔ اسلام سے متعلق پھیلائے گئے شکوک وشبہات کے حکیمانہ انداز میں رد پر مشتمل ہو، اور اس سلسلے میں سب وشتم سے اجتناب کرتے ہوئے گمراہ نظریات کے مقابلے میں اسلام کو ایک معتدل اور متوازن دین کے طور پر پیش کیا جائے۔

4۔ خطبہ زندگی کے حقائق اور عوام کے روزمرہ مسائل سے جڑا ہو، اور معاشرے کے عیوب کی اصلاح پر زور دیا جائے۔ نیز خواتین اور مسلم خاندان کو درپیش فتنوں کے مقابلے میں خصوصی توجہ دی جائے۔

5۔ سال بھر میں بار بار آنے والی مناسبتوں، مثلاً: رمضان، حج وغیرہ کا لحاظ رکھا جائے۔

6۔ خطبہ اسلامی بھائی چارے کے فروغ اور امتِ واحدہ کی وحدت کو مضبوط کرنے پر مشتمل ہو، اور امت کو تقسیم کرنے والے نسلی، مذہبی یا علاقائی تعصّبات اور دیگر فرقہ وارانہ رجحانات کے مقابلے پر مشتمل ہو۔

مندرجہ بالا سطروں سے خطبہ جمعہ کی اہمیت اور اس کے تقاضے پتہ چلتے ہیں۔ لہٰذا خطیب کو چاہیئے کہ وہ اس ذمہ داری کا احساس کرے؛ تاکہ اس ہفتہ واری پروگرام سے بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکے اور خطبات تبرک یا وقت گزاری کے بجائے اصلاح اور پیغام رسانی کا بہترین ذریعہ بن سکیں۔

شعوروآگہی

سماجی خدمت اور عوامی مسائل کے حل میں امام کی رہنمائی

● ڈاکٹر سفیان قاضی مدنی (رئیس مرکز کوکن، استاد عقیدہ جامعہ محمدیہ کوکن)

مسجد اسلام کا قلب ہے اور امام اس کا زندہ دل۔ امامت وہ منصبِ جلیل ہے جسے شریعتِ مطہرہ نے وظیفۃُ الانبیاء والمرسلین قرار دیا ہے۔ جس کے ذریعہ دلوں کو جوڑا جاتا ہے، صفوں میں نظم پیدا ہوتا ہے، اور امت میں اتحاد و اطاعت کا درس ملتا ہے۔ امامت دراصل تعلیم و یاددہانی، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا عنوان ہے۔ اور ایک نہایت اہم ذمہ داری ہے جس پر اسلام نے خاص توجہ دی ہے۔ شریعت نے اس کی ہیبت وحرمت کو دلوں میں راسخ کر کے اسے قیادتِ عبادت اور علامتِ اجتماعیت بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کا قیام اس کی موجودگی سے وابستہ کیا گیا۔ جب وہ حاضر ہو، تب ہی جماعت کھڑی ہو۔ جب وہ رکوع کرے تو تمام مقتدی اس کی پیروی میں رکوع کریں، جب وہ سجدے میں جائے تو سب سجدہ کریں۔ ''**إنما جُعل الإمامُ ليؤتمَّ به، فإذا كبر فكبروا، وإذا ركع فاركعوا، وإذا رفع فارفعوا، وإذا سجد فاسجدوا، إذا قرأ فأنصتوا**''۔[مسلم:414]

ائمۂ مساجد دراصل خیر کے داعی اور شر سے روکنے والے ہوتے ہیں۔ وہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتے ہیں، توحید وسنت کو اپنا نصب العین بناتے ہیں، اور امت کو راہِ حق کی طرف بلاتے ہیں۔ ان کے ذریعے جاہل علم حاصل کرتے ہیں، غافل بیدار ہوتے ہیں، راہرومنزل پاتا ہے، اخلاق سنورتے ہیں، ضمیر پاک ہوتے ہیں، برائیاں مٹتی ہیں اور نیکیوں کی روشنی پھیلتی ہے۔ امامِ مسجد کا سماج میں نہایت بلند اور مرکزی مقام ہے۔ وہ صرف نمازوں کا امام نہیں، بلکہ مساجد کے تمام شعائر واُمور کا نگہبان اور رہنما بھی ہوتا ہے۔ اپنے مصلیان کا درد رکھتا ہے بیماروں کی عیادت کرتا ہے، حاجت مندوں کی حاجت روائی کی کوشش کرتا ہے، امیروں سے سفارش کر کے ضرورت مندوں کی مدد کراتا ہے، قرض خواہوں کے لیے سہولت پیدا کرتا ہے، اور اہلِ محلہ کے مابین پیدا ہونے والے اختلافات و تنازعات کو حکمت ودانائی سے حل کرتا ہے۔ وہ بگڑے ہوئے افراد کی اصلاح، غافلوں کی تنبیہ، اور دلوں میں الفت ومحبت کے فروغ کے لیے کوشاں رہتا ہے۔

امامت دراصل اتحاد اور اجتماع کی علامت ہے اسی لیے نبی ﷺ نے فرمایا کہ: ''**يؤمُّ القومَ أقرؤُهم لكتابِ اللهِ فإن كانوا في القراءةِ سواءً فأعلمُهم بالسُّنةِ، فإن كانوا في السُّنَّةِ سواءً فأقدمُهم هجرةً...**''۔ [مسلم:643] ''جب تین آدمی ہوں توان میں سے ایک کوامام بنا

لیں، اور جو قرآن کا زیادہ علم رکھتا ہو وہ امامت کا زیادہ حق دار ہے۔ پھر صاحب سنت اور پھر صاحب ہجرت ...''...اگر صرف تین لوگوں کو بھی امام مقرر کرنے کا حکم دیا گیا تو جب بڑی جماعت ہو تو ان کے لیے امام مقرر کرنے کی اہمیت کتنی زیادہ ہوگی! یقیناً، اس میں امت کی خیر و برکت، اصلاح اور خیر خواہی کے بڑے مقاصد پوشیدہ ہیں۔ لوگ ایسے شخص کے گرد جمع ہوتے ہیں جو انہیں دین سکھائے، خیر کی تعلیم دے، کبھی رغبت دلائے اور کبھی ڈرائے، انہیں گناہ سے اطاعت کی طرف اور غفلت سے بیداری کی طرف لے جائے۔ امامِ مسجد اجتماعی زندگی کے مختلف خلل اور سماجی بگاڑ کو درست کرنے میں بھی پیش پیش رہتا ہے۔ وہ خاندانی تنازعات، پڑوسیوں کے جھگڑوں، وراثت و وصیت کی تقسیم جیسے مسائل میں بھی اصلاحی کردار ادا کرتا ہے۔ یوں امامِ مسجد کا دائرۂ کار صرف امامت تک محدود نہیں، بلکہ وہ امت کی اخلاقی اور سماجی رہنمائی کا محور ہوتا ہے۔ اگر امام اپنی ذمہ داریوں کو خلوصِ نیت اور احساسِ فرض کے ساتھ انجام دے، تو اس کا اثر و کردار کسی سلطان یا ولی کے کردار سے کم نہیں ہوتا۔ یہی امامانِ حق دراصل مصالحِ شرعیہ کے محافظ، امت کی اصلاح کے علمبردار، اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ رحمت کے مظہر ہوتے ہیں۔

امام اپنے دروس، مواعظ، اور خطباتِ جمعہ کے ذریعے معاشرے میں اتحاد، محبت، رواداری، اور اصلاحِ معاشرت کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ بہت سی مساجد جماعتی نظم و نسق کے تحت چلتی ہیں، لہٰذا ایسے نظام میں امام کی ذمہ داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں۔ وہ دار القضاء، نکاح و طلاق، خلع و وراثت، اور میت سے متعلق امور میں بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

جب امام اپنی عظمت و شان کے ساتھ محراب میں کھڑا ہوتا ہے تو ایمان کی روشنی صفوں میں بہنے لگتی ہے۔ وہ صرف جماعت کا پیشوا نہیں بلکہ امت کا ضمیر، علم و عمل کا چراغ، اور معاشرتی اخلاق کا محور ہے۔ وہ غریب کا سہارا، یتیم کا مربی، نوجوان کا رہنما اور معمر کا مونس ہوتا ہے۔ اسلام نے امامِ مسجد کو محض نماز کا قائد نہیں بنایا بلکہ اسے دلوں کا رہنما اور امت کے نظم و اتحاد کا ستون قرار دیا ہے۔ جس طرح رسولِ اکرم ﷺ نے مدینہ میں سب سے پہلا کام مسجدِ نبوی کی بنیاد رکھ کر خود امامت فرمائی، اسی طرح ہر امام مسجد میں سنتِ نبوی کا وارث اور شریعتِ الٰہیہ کا نمائندہ ہے۔

امامت کی بنیاد علم، دین داری اور شرفِ اخلاق پر رکھی گئی ہے، نہ کہ حسب و نسب یا شہرت پر۔ یہ مقام محض لوگوں کو نماز پڑھانے کا نہیں بلکہ نفوس کو سنوارنے، امت کے قلب کو جوڑنے، اور اللہ کے دین کو زندہ رکھنے کا ہے۔ امام وہ ہستی ہے جس کے قدم سے اقامتِ دین کا آغاز ہوتا ہے۔ جب وہ ''اللہ اکبر'' کہتا ہے تو زمین پر بندگی کا شور مچ جاتا ہے۔ اس کی تلاوت میں قرآن کی روشنی جھلکتی ہے، اس کی تکبیر سے اتحاد کی خوشبو اٹھتی ہے، اور اس کے عدل سے مسجد کا نظام قائم ہوتا ہے۔ وہ محلہ و سماج کی روحانی نبض ہے۔ اس کے لہجے کی نرمی، علم کی گہرائی، اور کردار کی بلندی سے سماج کی تربیت ہوتی ہے۔ وہ دلوں کے زخموں پر مرہم رکھتا ہے، اختلافات کو ختم کرتا ہے اور محبت کا رشتہ جوڑتا ہے۔

امام کی ہیبت وہ نورانی احترام ہے جو اس کے علم، کردار اور

عدل سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ جبر یا غرور کی ہیبت نہیں، بلکہ اجتماعی قیادت کی ساکھ ہے۔ شریعت نے اسے محفوظ رکھنے کے لیے کئی اصول طے کیے: نماز کی اقامت امام کی آمد سے وابستہ رکھی گئی تاکہ جماعت کے نظم کا مرکز وہ رہے۔ امام کا مقام صفوں سے آگے رکھا گیا تاکہ قیادت کی علامت ظاہر ہو۔ اہلِ علم کو امام کے پیچھے کھڑا ہونے کی تاکید کی گئی تاکہ علم کا رشتہ اقتدا کے ذریعے نسل در نسل منتقل ہو۔ مقتدیوں کو حکم دیا گیا کہ امام سے آگے نہ بڑھیں، برابر نہ ہوں، اور نہ پیچھے رہیں، تاکہ امت میں نظم و اطاعت کا تصور قائم رہے۔ یہ نظام دراصل شریعت کی حکمت کا مظہر ہے کہ جس طرح سربراہِ قوم کی اطاعت واجب ہے، اسی طرح امامِ مسجد کی اقتدا میں بھی اجتماع و وحدت کی روح پوشیدہ ہے۔ جنابِ محمدِ عربی ﷺ نے ائمہ و مؤذنین کے حق میں خصوصی دعا فرمائی: **الامام ضامن والمؤذن مؤتمن، اللهم ارشد الأئمة واغفر للمؤذنين.** فرمایا: ''امام ضامن ہے، اور مؤذن امین ہے۔ اے ربِ کریم! ائمہ کو رشد و ہدایت عطا فرما اور مؤذنین کو اپنی مغفرت سے نواز''۔ [صحیح ابوداؤد: 517]

امام کی امامت کے وقت سب برابر ہو جاتے ہیں بی سلطان و امیر، فقیر و مزدور، عالم و عامی سب ایک صف میں، ایک سمت، ایک امام کے پیچھے سرِ نیاز خم کر دیتے ہیں۔ یہی وہ سماجی وقار ہے جس نے امتِ مسلمہ کو اجتماعیت کا شعور عطا کیا۔ اسی احترام نے مسجد کے منبر و محراب کو تقدیس بخشی کہ جب امام خطبہ دے تو معمولی جنبش بھی ناپسندیدہ قرار پائے۔ امام کے کلمات کو غور سے سننا، اس کے پڑھنے پر تدبر کرنا، اور اس کے خطاب کے وقت خاموشی اختیار کرنا عبادت کا حصہ ہے۔ بلکہ نماز میں بھی اس کی موجودگی میں دوسرے کے لیے امامت کا حق نہیں، اور نہ کسی مقتدی کو اجازت ہے کہ وہ اس کے افعال سے سبقت لے۔ اس کی موجودگی میں الگ جماعت قائم کرنا بھی خلافِ ادب اور نظمِ شریعت کے منافی ہے۔ گویا شریعت نے امام کو محض نمازیوں کا پیشوا نہیں، بلکہ امت کا رہنما، صفوں کا نگہبان اور عبادت کے نظام کا محافظ بنایا ہے۔ اس کے وجود سے مسجد آباد اور دل مطمئن رہتے ہیں۔ امام وہ ہے جس کے قدموں سے اطاعت کے چراغ جلتے ہیں، جس کی زبان سے ہدایت کے سوتے پھوٹتے ہیں، اور جس کی قیادت سے امت وحدت و برکت کی سمت بڑھتی ہے۔ امامت محض ایک عزت نہیں بلکہ ایک عظیم ذمہ داری، ایک شرعی امانت اور ایک سماجی قیادت ہے جس کا احترام ایمان کا تقاضا اور اطاعت عین عبادت ہے۔

امامت کی عظمت اس لیے بھی بلند ہے کہ امام معاشرے کی فکری و اخلاقی بیماریوں کا علاج کرتا ہے۔ جب گناہوں اور برائیوں کی کثرت ہوتی ہے تو معاشرہ بگاڑ کا شکار ہوتا ہے، اور عذابِ الٰہی نازل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''پس ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کے سبب پکڑا، چنانچہ ان میں سے کچھ پر ہم نے پتھروں کا طوفان بھیجا، کچھ کو سخت چیخ نے آلیا، کچھ کو زمین میں دھنسا دیا، اور کچھ کو غرق کر دیا، اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے'' (العنکبوت: 40)۔ اور ہمیں معلوم ہے کہ جہالت کا علاج علم کے سوا کچھ نہیں، اور لوگوں کی علم کی حاجت ان کی خوراک و پانی سے کہیں زیادہ ہے۔ دنیا

میں موجود علوم وفنون پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ کتاب وسنت کا علم رکھنے والے علماء ہی حقیقت میں اس علم کے علمبردار ہیں جو انسانی اخلاقیات کی بقا کے لئے مطلوب ومرغوب ہے۔ ائمہ وہ ہیں جو دینِ الٰہی کے مبلغ، خیر کے داعی، اور اصلاح کے علمبردار ہیں۔ وہ نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے، نیک عمل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں مسلمان ہوں'' (فصلت: 33)، نیز فرمایا: ''کہہ دو، یہی میرا راستہ ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، بصیرت کے ساتھ، میں بھی اور وہ بھی جو میرا اتباع کرتے ہیں'' (یوسف: 108)۔

ابنِ قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اعلان کریں کہ ان کا راستہ دعوت الی اللہ ہے۔ پس جو شخص اللہ کی طرف بلاتا ہے وہ نبی ﷺ کے راستے پر ہے، بصیرت والا ہے، اور آپ کا پیروکار ہے۔ لیکن جو غیر اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے وہ نہ بصیرت والا ہے، نہ پیروکارِ نبوی۔ دعوتِ الی اللہ ہی انبیاء اور ان کے وارثوں کا فریضہ ہے، اور سنت کی تبلیغ دشمنوں کے خلاف تیر چلانے سے زیادہ عظیم کام ہے، کیونکہ جنگ میں تو بہت لوگ شریک ہوتے ہیں، مگر نبوی سنتوں کی تبلیغ صرف انبیاء کے وارث ہی کرتے ہیں۔ معاشرے پر آزمائشوں اور فتنوں کی آندھیاں چلتی رہتی ہیں جو لوگوں کو گمراہی کی طرف کھینچتی ہیں۔ ایسے مواقع پر امام کا کردار نہایت اہم ہے جو لوگوں کو نصیحت، تنبیہ اور خیر کی دعوت دیتا ہے۔ اس کے سبب دل زندہ ہوجاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے خیر کے دروازے کھولتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص کسی کو ہدایت کی طرف بلائے تو اسے ان سب کے برابر اجر ملتا ہے جو اس کی پیروی کریں، اور ان کے اجر میں کچھ کمی نہیں ہوتی اور جو کسی کو گمراہی کی طرف بلائے تو اس پر ان سب کے برابر گناہ ہوتا ہے جو اس کی پیروی کریں''۔ ایک اور موقع پر نبی ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''اگر اللہ تمہارے ذریعے ایک شخص کو ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے''، یعنی دنیا کی سب سے قیمتی متاع سے زیادہ۔ اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ، اس کے فرشتے، آسمانوں اور زمین کے بسنے والے، حتیٰ کہ چیونٹی اور مچھلی تک، سب اس شخص پر درود بھیجتے ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتا ہے''۔ [التفسیر القیم: 1/329]

جب امام کی یہ بلند حیثیت ہے تو لازم ہے کہ امت اس کے حقوق کا خاص اہتمام کرے۔ مگر افسوس کہ آج اسی مقدس فریضے کو انجام دینے والے اہلِ علم وائمہ کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی ہے۔ ایسے علماء کی قلت ہے جو اپنی علمی فراغت کے بعد مساجد کے منبر ومحراب سے قوم وملت کی اصلاح کا فریضہ انجام دیں۔ یہی وجہ ہے کہ رہنمائی کا فقدان بڑھتا جارہا ہے، اور بہت سے علاقوں میں، جہاں مقامی علماء کی موجودگی ناگزیر ہونی چاہیے، وہاں باہر سے علماء کو بلانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ مہمان علماء وقتی طور پر رہنمائی تو فرمادیتے ہیں، مگر کبھی کبھی مقامی علماء پر غیر ضروری تنقید کرکے اختلافات کی فضا پیدا کرجاتے ہیں، جس کے اثرات عوام الناس کے درمیان انتشار کی صورت

میں ظاہر ہوتے ہیں۔ تاہم یہ حقیقت بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ خود ائمہ وخطباء کی کوتاہیاں بھی کم نہیں۔ بعض ائمہ نے امامت کو انبیاء کی وراثت سمجھنے کے بجائے محض ایک وظیفہ (تنخواہ) سمجھ لیا ہے۔ فجر کی نماز کے بعد دیئے جانے والے دروس میں حاضری نہ ہونے کے برابر رہ گئی ہے، اور امام صاحب اکثر فجر سے ظہر تک طویل فرصت میں رہتے ہیں۔ اگر اس وقت کو دعوت، تعلیم یا عوامی اصلاح میں صرف کیا جائے تو مساجد کا ماحول روحانیت اور بصیرت سے معمور ہوسکتا ہے، مگر افسوس کہ کئی ائمہ اس قیمتی وقت کو غیر مفید امور میں ضائع کر دیتے ہیں۔ اسی طرح دروس وخطبوں کی تیاری میں بھی غفلت عام ہوگئی ہے۔ بسا اوقات خطیب صاحب طویل تقریر فرماتے ہیں مگر نماز کے بعد اگر نمازیوں سے پوچھا جائے کہ درس کا موضوع کیا تھا یا اس کے نکات کیا تھے، تو اکثر لوگ لاعلم نکلتے ہیں۔ یہ اس بات کی علامت ہے کہ ہمارے دروس کا اثر دلوں تک نہیں پہنچ رہا۔ نتیجتاً وہ مساجد جو معاشرتی اصلاح وتربیت کا مرکز ہونی چاہئیں، ان کا کردار کمزور اور غیر مؤثر نظر آرہا ہے۔

آج اکثر مساجد کے ائمہ سماجی خدمت، عوامی رہنمائی اور معاشرتی اصلاح کے میدان سے تدریجاً کنارہ کش ہوتے جارہے ہیں۔ نتیجتاً، سماج بھی ان کی قیادت کو قبول کرنے سے گریزاں نظر آتا ہے۔ اس غفلت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ وہ افراد، جو نہ علمی بصیرت رکھتے ہیں اور نہ دینی فہم کے اہل ہیں، وہی آج سماج کے سردار، قائد اور رہنما بن بیٹھے ہیں۔ دوسری جانب اہلِ بدعت اور اہلِ ضلالت نے عوامی وسماجی میدان میں اپنی سرگرمیوں کے ذریعے دینِ اسلام کی روشن اور اعتدال پسند تعلیمات کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ منطق، فلسفہ اور تقلیدی جمود نے امت کو اختلافات کی ایسی دلدل میں دھکیل دیا ہے جہاں فقہی مسائل عوامی سطح پر بگاڑ کا شکار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح تصوف اور درگاہی نظام کے بعض نمائندوں نے تصوف وسلوک کی آڑ میں دین کے نام پر فریب کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ قرآن وسنت کی سچی تعلیمات کو عام کرنے والے علمائے حق کی خاموشی اور کنارہ کشی نے ان بدعتی عناصر کو مزید جری بنا دیا ہے۔ آج اہلِ بدعت نہ صرف عوامی مسائل بلکہ سیاسی اور سماجی قیادت کے میدان میں بھی غالب نظر آتے ہیں۔ استخارہ، حلالہ، قرآن خوانی، چالیسا، تیجا، تعویذ گنڈہ، جیوتشی کہانت اور دیگر مسائل کی آڑ میں عوام الناس کے ساتھ کھلواڑ جاری ہے۔ من گھڑت رسومات کو مذہب کے نام پر زندہ کیا جارہا ہے، مختلف ٹی وی چینلوں پر ''اسلامی'' نام کے پردے میں گمراہی پھیلائی جارہی ہے۔ اگر امامِ حق کتاب وسنت کی روشنی میں معاشرتی، سماجی اور سیاسی اصلاح کے محاذ پر سرگرم نہ ہوں، تو پھر ان فتنوں اور انحرافات کا پھیلنا ایک یقینی حقیقت بن جاتا ہے۔

دوسری جانب ائمۂ مساجد کے تعلق سے وقف بورڈ اور متولیانِ مساجد کی کوتاہی سے بھی انکار ممکن نہیں۔ اللہ ربّ العالمین نے ہمارے وقف بورڈ کو بے شمار املاک و وسائل عطا فرمائے ہیں، جو اگر درست طریقے سے استعمال کیے جائیں تو ایک مضبوط معاشی نظام قائم ہوسکتا ہے۔ مگر افسوس کہ وہی املاک جو آمدنی کا ذریعہ بن سکتی تھیں، غفلت اور بدانتظامی کی نذر ہو کر

غیر مفید عناصر کے قبضے میں چلی گئی ہیں۔اس کے نتیجے میں ائمۂ مساجد کی تنخواہیں نہایت کم ہیں۔ ائمہ اپنی ضروریات کو پرائیویٹ ذرائع یا عوامی تعاون سے پورا کرنے پر مجبور ہیں۔ جبکہ خلیجی ممالک میں وقف بورڈ کے کسی بھی ذیلی ادارے کا سالانہ بجٹ پانچ بلین ریال یا درہم سے کم نہیں ہوتا۔اسی طرح یورپ اور امریکہ جیسے ترقی یافتہ ملکوں میں ائمۂ کرام کی ماہانہ تنخواہیں اتنی زیادہ ہیں کہ وہ ہمارے ملک کے ائمہ کی سالانہ تنخواہوں سے بھی کہیں زیادہ ہوتی ہیں۔جب ائمۂ مساجد کی معاشی حالت کمزور ہوگی تو ان کے لیے سماجی، دینی اور اجتماعی خدمات انجام دینا ایک بڑا چیلنج بن جائے گا۔لہٰذا اس پہلو پر مسجد کے ٹرسٹیان، متولیانِ اوقاف اور وقف بورڈ کے ذمہ داران کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے اور ائمۂ مساجد کے لیے مناسب و معقول مالی نظام قائم کرنے کی فوری ضرورت ہے۔

امام کا وقار اسی وقت قائم رہتا ہے جب وہ اپنی ذمہ داریوں کو حق کے ساتھ ادا کرے۔اپنے طرزِ تلاوت، بیان اور عبادت میں وقار و ترتیب رکھے۔اپنی گفتار میں حلم اور کردار میں پاکیزگی اپنائے۔مسجد کے تمام امور میں امانت و شفافیت قائم رکھے۔ نائب کے تقرر میں اہلیت اور خیر خواہی کو مدنظر رکھے۔عوام کے ساتھ شفقت و نرمی کا برتاؤ کرے تاکہ ان کے دلوں میں محبت کے ساتھ احترام پیدا ہو۔امام کا وقار امت کی پہچان ہے جب امام اپنی جگہ مضبوط ہو تو امت کا قبلہ درست رہتا ہے۔اس کی تکبیر امت کو اتحاد سکھاتی ہے اور اس کی امامت امت کی اجتماعیت کی علامت بنتی ہے۔یہی وہ تربیت ہے جن کے ذریعے مسلمان جماعت کی ترتیب سیکھتا ہے، تاکہ میدانِ جہاد ہو یا اجتماعِ امت، سب ایک رہیں۔رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور آپ کے خلفائے راشدین کی سیرت ہمارے لیے مکمل نمونہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے نہ صرف عبادت و تعلیم کے میدان میں بلکہ سماجی اصلاح، عدل و انصاف اور قیادت کے ہر محاذ پر عملی رہنمائی پیش کی۔لہٰذا ائمہ کرام، جو انبیاء کے وارث ہیں، ان پر لازم ہے کہ وہ امامت کے ساتھ ساتھ اصلاحِ امت، رہنمائی عوام، اور سماجی بیداری کے فریضے کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا جزوِ لازم سمجھیں۔یہی ان کے وراثتِ نبوت کا تقاضا اور امت کے مستقبل کی ضمانت ہے۔ یہ صرف عبادت نہیں بلکہ قیادت ہے۔امام کی ہیبت اس وقت باقی رہتی ہے جب وہ علم کے مینار، تقویٰ کے پیکر، اور اخلاق کے آئینہ دار بنے۔

امامت کا منصب ایک عظیم دینی و سماجی ذمہ داری بھی ہے۔ امامِ مسجد کو نہ صرف عبادات کی رہنمائی کرنی ہے بلکہ اُمت کی اصلاح، معاشرتی بیداری، اور عوامی مسائل کے حل میں بھی کلیدی کردار ادا کرنا ہے۔لہٰذا ائمہ مساجد کے لیے ضروری ہے کہ وہ کتاب و سنت کے حامل، عقیدۂ توحید پر قائم، اور منہجِ سلف صالحین کے ترجمان بن کر معاشرے میں سنتوں کو عام کرنے والے بنیں۔

اس عظیم مقصد کے حصول کے لیے چند عملی تجاویز پیشِ خدمت ہیں:

1-ادارہ جاتی شمولیت:

امامِ مسجد کو ٹرسٹی بورڈ، مسجد کمیٹی، اور دیگر انتظامی اداروں کا

فعال رکن بنایا جائے تا کہ وہ مسجد کے تمام دینی وسماجی معاملات میں شریک رہ سکیں۔

2-شرعی کمیٹی ودارالقضا میں کردار:

شرعی کمیٹیوں اور دارالقضا کی ذمہ داریاں ائمہ کے سپرد کی جائیں، ان کے اختیارات ومعاوضے میں اضافہ کیا جائے تا کہ وہ نکاح، طلاق، خلع، وقف، اور میراث جیسے مسائل میں کتاب وسنت کے مطابق عوام کی رہنمائی کرسکیں۔

3-جمعہ کے خطبات کانظم واصلاح:

جمعہ کے خطبات کومنظم، بامقصداورسماجی ضروریات سے ہم آہنگ بنایا جائے، تاکہ عوام کو دینی بصیرت کے ساتھ ساتھ معاشرتی شعور بھی حاصل ہو۔

4-ائمہ مساجد کاوفاق:

ائمہ مساجد کے ایک مضبوط وفاق (ایسوسی ایشن) کا قیام کیا جائے تاکہ ائمہ کے درمیان ربط ومشاورت کا نظام قائم ہواور وہ اجتماعی طور پرسماجی خدمات انجام دے سکیں۔

5-علمی وفکری مراکز کا قیام:

مسجدوں میں لائبریری، ریسرچ کارنر، اورڈیجیٹل تعلیم وتبلیغ کے انتظامات کیے جائیں تاکہ دین کی دعوت جدید ذرائع سے عام ہوسکے۔

6-مکتب کے نظام میں امام کاکردار:

مکتب ودینی تعلیم کے نظام میں امام کومرکزی کردار دیا جائے تاکہ وہ براہِ راست بچوں اورنوجوانوں کی تربیت اور اصلاحِ اخلاق میں حصہ لے سکیں۔

7-سماجی اصلاحی سرگرمیاں:

امامِ مسجد کو ازدواجی تنازعات کے حل، نشہ بندی مہم، تعلیمِ نسواں کی ترغیب، نوجوانوں کی اصلاح، اورغرباء کی فلاحی امداد جیسے امور میں فعال کردارادا کرنے کی ترغیب دی جائے۔

8-رفاہی منصوبے:

امام مسجد کے ذریعے ضرورت مندوں کے لیے فلاحی فنڈ، تعلیمی وظائف، اور چھوٹے کاروباروں کے لیے تعاون کے پروگرام ترتیب دیے جائیں-تاکہ امام کی ہیبت، اس کی عظمت، اورسماجی ومعاشرتی مسائل میں اس کی رہنمائی کا کردار کھل کر سامنے آئے، اوراس کی دینی رہنمائی امر بالمعروف ونہی عن المنکر پراس کی آواز قائدانہ رول ادا کرسکے-لہٰذاضرورت اس بات کی ہے کہ امام اورخطیب کو مقامی سطح پر وہی اہمیت دی جائے جو درحقیقت ان کا حق ہے۔ان کے اختیارات، ان کی مالی مراعات (سیلری)، اوران کے سماجی واخلاقی اثرونفوذ کومضبوط بنانے کے لیے ٹرسٹیان اور اہلیانِ مساجد کومکمل تعاون فراہم کرنا چاہیے۔ امام کوصرف مسجد تک محدود نہ سمجھا جائے بلکہ اسے سماج کی فکری واخلاقی تعمیر کامحور تسلیم کیا جائے۔آج امت کودوبارہ اسی قیادت کی ضرورت ہے ایسے امام کی جوقرآن کا معلم ہو، دلوں کا مرہم ہو، اورامت کے بکھرے ہوئے اجزاء کونماز کی صفوں کی طرح جوڑ دے۔اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کوایسے امام عطافرمائے جن کے قدموں سے محراب بھی روشن ہواوردل بھی۔

احساسات وتاثرات

تعلیمی انعامی مقابلے

● شیخ نصیر رحمانی (صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنْسَاهُ؟ قَالَ: ابْسُطْ رِدَاءَكَ فَبَسَطْتُهُ، قَالَ: فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ضُمَّهُ فَضَمَمْتُهُ، فَمَا نَسِيتُ شَيْئًا بَعْدَهُ [صحیح بخاری:۱۱۹۔صحیح مسلم:۲۴۹۲]

اے اللہ کے رسول! میں آپ سے بہت باتیں سنتا ہوں مگر بھول جاتا ہوں۔آپ ﷺ نے فرمایا: اپنی چادر پھیلاؤ۔ میں نے (اپنی چادر) پھیلائی تو اپنے دونوں ہاتھوں کو چلو جیسا بنایا پھر فرمایا: (چادر کو) لپیٹ لو۔میں نے (چادر کو) لپیٹ لیا پھر اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے غزوہ خیبر کے دوران جب اسلام قبول کیا اس وقت ۲۶/سال کے تھے۔آپ کو ہمارے نبی ﷺ کی حیات طیبہ کے بقیہ چار سال میں سے تین سال ساتھ رہنے، حدیثیں سننے اور یاد کرنے کا موقع ملا۔

ہمارے یہاں جو نظام تعلیم ہے اس کے حساب سے ایک طالب علم انیس، بیس یا اکیس سال کی عمر میں عالمیت اور فضیلت دونوں کر لیتا ہے۔

ابتدائی عمر میں اگر قرآن کریم حفظ کرے تو بھی اس کی ایک اوسط مدت تین سال ہوتی ہے۔اس اعتبار سے بھی طالب علم کی عمر زیادہ سے زیادہ ۲۴/سال تک پہنچتی ہے۔

اس سلسلہ تعلیم میں مزید اضافہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ یا اسی طرح کی دوسری جامعات میں داخلے سے ہوتا ہے۔اعلیٰ تعلیم کے اس مرحلے میں پہنچنے کے بعد بھی ہمارے زمانے میں طالب علم کی تقریباً وہی عمر ہوتی ہے جو سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی تھی۔ ابتدائی کیفیت بھی کچھ ملتی جلتی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اسلام قبول کرنے کے لیے یمن سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تھے۔طالب علم بھی اعلیٰ تعلیم کے لیے اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ وارد ہوتا ہے۔

البتہ قیام وطعام کا انتظام آج کہیں بہتر ہوتا ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

أَللّٰهِ الَّذِي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ، إِنْ كُنْتُ لَأَعْتَمِدُ بِكَبِدِي عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْجُوعِ، وَإِنْ كُنْتُ لَأَشُدُّ الْحَجَرَ عَلَى بَطْنِي مِنَ الْجُوعِ، وَلَقَدْ قَعَدْتُ يَوْمًا عَلَى طَرِيقِهِمُ الَّذِي يَخْرُجُونَ مِنْهُ، فَمَرَّ أَبُو بَكْرٍ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيُشْبِعَنِي، فَمَرَّ وَلَمْ يَفْعَلْ، ثُمَّ مَرَّ بِي عُمَرُ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ آيَةٍ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ مَا سَأَلْتُهُ إِلَّا لِيُشْبِعَنِي، فَمَرَّ فَلَمْ يَفْعَلْ، ثُمَّ مَرَّ بِي أَبُو الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَبَسَّمَ

حِينَ رَآنِي وَعَرَفَ مَا فِي نَفْسِي وَمَا فِي وَجْهِي
[صحیح بخاری: ۶۴۵۲]

اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بھوک سے میں زمین پر اپنے پیٹ کے بل لیٹ جاتا تھا اور کبھی تو بھوک سے میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا۔ ایک دن میں اس راستے پر بیٹھ گیا جس سے (صحابہ) نکلتے تھے، ابوبکر (رضی اللہ عنہ) گزرے تو میں نے کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا، پوچھنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ مجھے کچھ کھلا دیں مگر وہ چلے گئے اور کچھ نہ کیا۔ پھر میرے پاس سے عمر (رضی اللہ عنہ) گزرے تو میں نے ان سے بھی کتاب اللہ کی ایک آیت کے بارے میں پوچھا، پوچھنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ مجھے کچھ کھلا دیں مگر وہ بھی چلے گئے اور کچھ نہ کیا۔ پھر میرے پاس سے ابوالقاسم ﷺ گزرے تو مجھے دیکھتے ہی مسکرائے اور میرے دل میں اور چہرے پر جو تھا جان لیا۔

یہ اسی حدیث کا ابتدائی ٹکڑا ہے جس میں آگے نبی ﷺ کے گھر آئے ہوئے ایک تحفے 'دودھ کے پیالے' کا ذکر ہے۔ اسی ایک پیالے سے پہلے اصحاب صفہ پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور خود نبی ﷺ سیراب ہوئے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی جو مرویات ہم تک پہنچی ہیں ان کی تعداد ۵۳۷۴ ہے۔ اتنی حدیثیں، جو نہ سننے کے وقت لکھی گئیں نہ اس وقت سننے کے بعد لکھی گئی تھیں، حفظ تھیں انھیں۔ انہی حدیثوں کے بھول جانے کا ذکر کیا تھا پیارے نبی ﷺ سے، بھول اور بھوک دونوں صورتوں میں معجزات کا ظہور ہوا۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی چادر میں اپنے دونوں ہاتھوں کے اشارے سے ایسی برکت ڈال دی جس کے نتیجے میں وہ پھر کبھی بھولے ہی نہیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے دل میں حدیثوں کو یاد رکھنے کی جو تڑپ تھی وہ محبت رسول ﷺ کا اظہار ہے، یہ محبت اطاعت کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے۔

بھول ایک بشری کمزوری ہے اور بھوک ایک انسانی حاجت کا احساس۔ کمزوریاں دوسری بھی ہوسکتی ہیں اور دوسرے اسباب کی بنیاد پر بھی ہوسکتی ہیں۔ صغرسنی کی کمزوری ہو یا کبرسنی کی، کمزوریاں رواج نہیں دی جاسکتیں۔ رکاوٹیں بھوک پیدا کررہی ہو یا کوئی اور مجبوری، مجبوریاں شعار نہیں بنائی جاسکتیں۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے حدیثیں سنتے یاد کرتے ہوئے کوئی کام کیا نہ گھر بسایا، کھانے پینے اور رہنے بسنے کا کوئی مستقل انتظام نہیں تھا۔ جب تک نبی ﷺ حیات تھے ایسی ہی زندگی گزاری، اپنا بیشتر وقت اس طرح خرچ کیا کہ آج ان کے نام رسول اللہ ﷺ کی سب سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے کا مہتم بالشان اعزاز ہے۔

یہ حساب اب کوئی نہیں نکالتا کہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کتنی بار بھوک کی وجہ سے پیٹ کے بل زمین پر لیٹے، کتنی مرتبہ پیٹ پر پتھر باندھے اور کتنی دفعہ کسی کھانا کھلانے والے کے انتظار میں راستوں پر بیٹھے۔

اب یہی تذکرہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ نے ان کی کتنی تعریفیں کی ہیں، صحابہ کے نزدیک ان کا کتنا بڑا مقام تھا، تابعین ومحدثین نے ان کی کتنی مدح سرائی کی ہے، سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کس طرح مومنوں کے دلوں میں بستے ہیں۔

یہ تذکرہ ایک کتابچے کا موضوع ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

کی ۷۴۷ ۵۳ مرویات کتنے صفحات پر پھیل سکتی ہیں اس کا اندازہ لگانا تو مشکل نہیں ہے مگر ایک کتابچے بھر کی حدیثیں یاد رکھنے والے آج بہ مشکل ہی ملتے ہیں۔

جب کہ اسی مقصد کی خاطر ہمارے ملک ہندوستان میں کتنے مدارس قائم کیے گئے ہیں۔تقریباً تمام مدارس میں شعبہ حفظ ہے، حفظ قرآن کے لیے مستقل ادارے بھی قائم کیے گئے ہیں اور دن بدن اس سمت مزید پیش رفت بھی ہو رہی ہے۔

مدارس میں تعلیمی معیار مزید بہتر ہو، یہ فکر ذمہ داران مدارس کو ہمیشہ دامن گیر رہتی ہے۔ بہتری کے لیے نصاب میں تبدیلی لائی جاتی ہے، قابل اساتذہ کی تقرری ہوتی ہے، طلبہ کو ہر قسم کی سہولتیں میسر کرائی جاتی ہیں۔

آج کل تو محاضرے بھی ٹرینڈ میں ہیں۔ محاضر مہمان علماء ہوں یا ادارے کے ہی اساتذہ، اہتمام کی کوشش کی جاتی ہے۔ مقصد تعلیمی معیار میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

اس معیار کو مزید اونچا اٹھانے کے لیے تعلیمی انعامی مقابلے انتہائی خوش آئند ہوتے ہیں۔ مدارس کی چہار دیواری میں اس طرح کے مقابلوں کی اپنی ایک اہمیت ہوتی ہے، خوابیدہ صلاحیتوں میں نکھار آتا ہے، لکھنے پڑھنے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

یہی تعلیمی انعامی مقابلے اگر بین المدارس ہوں تو ان کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے۔ حوصلہ افزائی کا گراف اور بڑا ہو جاتا ہے۔ یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی شہر میں موجود الگ الگ مدارس کے طلبہ کس معیار کے ہیں اور تعلیمی محاذ پر وہ کتنے آگے ہیں، اس مواجہے اور مقابلے کا لازمی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ طلبہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ہندوستان بھر میں دعوت وتبلیغ کے محاذ پر اپنی ایک علاحدہ اور نمایاں شناخت رکھنے والی تنظیم 'صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی' بھی اپنے حلقے میں موجود مدارس کے طلبہ کے لیے تعلیمی انعامی مقابلے منعقد کرتی ہے۔

پہلے سال (۲۰۲۳ء میں) یہ تعلیمی انعامی مقابلہ مساجد ومدارس کے طلبہ کے لیے ہی تھا، دوسرے سال اس مقابلے میں مساجد ومدارس کے ائمہ وخطباء کو بھی شامل کر لیا گیا۔

یہ ائمہ وخطباء گزشتہ کئی سالوں سے 'صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی' ہی کے زیر اہتمام تقریباً ہر سال 'دورہ تدریبیہ' میں بھی شریک ہوتے رہے ہیں۔ یہی دورے بعد میں 'تربیتی اجتماع' کہے جانے لگے جواب بھی منعقد ہوتے ہیں۔

اس مقابلے میں طلبہ کے لیے حفظ قرآن اور حفظ حدیث ملا کر عموماً کل چار زمرے ہوتے ہیں، حفظ قرآن کے تین زمرے یعنی (۱) مکمل قرآن (۲) بیس پارے (۳) دس پارے اور حفظ حدیث کا ایک زمرہ۔

مدارس میں معیاری انتظامات اور قیام وطعام وغیرہ کی سہولتیں پیش نظر ہوں تو نتیجہ الٹا نکلتا ہے۔ ماضی میں سہولتیں کم تھیں مگر نتائج ایسے ثمر آور کہ دلی کے رحمانی علماء نابغہ روزگار نکلے۔ اب انتظامات پہلے سے کہیں بہتر ہیں تو خطبہ جمعہ کے لیے ڈھنگ کے خطیب بھی نہیں ملتے۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے یہ تعلیمی انعامی مقابلے ہر اعتبار سے معیاری ہوتے ہیں۔ انتظام واہتمام سے لے کر انعام واکرام تک ہر ترتیب ممتاز ہوتی ہے۔ اس مقابلے میں

شامل طلبہ ہوں یا ممتحن، مہمان علماء ہوں یا مقامی اہل علم حضرات کسی کی تکریم میں کہیں کسی قسم کی کوئی کمی نہ رہ جائے اس بات کی پوری کوشش کی جاتی ہے۔

حفظ قرآن کا زمرہ تو کئی اعتبار سے طلبہ کی توجہات کا مرکز بنتا ہے۔جن مساجد میں شعبہ حفظ قائم ہے یا جو محض تحفیظ القرآن ہی کے ادارے ہیں، تعلیمی انعامی مقابلے میں حفظ قرآن کے زمرے میں ان کی مقررہ نمائندگی تو قابل قدر ہے مگر جن مدارس کا صرف ایک شعبہ 'تحفیظ' ہے، حفظ حدیث کے زمرے سے ان کی بے اعتنائی حیران کن ہے۔

تعلیمی انعامی مقابلوں میں اگر معیاری انعامات بھی طلبہ کو حدیثیں یاد کرنے پر نہیں اکسا سکتے تو پھر ہمیں سوچنا پڑے گا کہ ہمارا تعلیمی معیار کیسا ہے؟

حفظ قرآن کے زمرے میں تو وہ طلبہ شریک ہوتے ہیں جنھیں قرآن پہلے سے یاد ہوتا ہے، تعلیمی انعامی مقابلے کے لیے انھیں بس دوہرانا ہوتا ہے۔

حفظ حدیث کے معاملے میں مدارس کی سرد مہری، طلبہ کی بے اعتنائی اور اساتذہ کی عدم توجہی چھوٹی باتیں نہیں ہیں۔ یہ رویے ہمارے اجتماعی تعلیمی نظام کے مظاہر ہیں۔

نظر کے دھوکے پہلے بھی کم نہیں تھے، اب تو مزید بڑھ گئے ہیں۔کیسی کیسی چیزیں تصویروں میں خوبصورت دکھائی دیتی ہیں، چھوٹی چھوٹی باتیں بڑی کرکے بتائی جاتی ہیں۔ بیان کرنے میں پہلے زبان تھک جاتی تھی، اب تو ایک ہی چیز کو کیمرہ دس طرف سے اور دس طرح سے دکھا کر بھی آن رہتا ہے۔

تعلیمی انعامی مقابلے میں مساجد و مدارس کے ائمہ وخطباء کے لیے ایک زمرے کا اضافہ کرکے صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی نے جو گراں قدر اقدام کیا ہے وہ کئی اعتبار سے مفید ہے۔ مساجد میں خطبے اور دروس کا جو نظام قائم ہے اس کے معیار میں اضافہ کرنے کے لیے بھی یہ نہایت کارآمد ہے۔

عوام کی مطلوبہ رہنمائی کے لیے ائمہ مساجد کا اپڈیٹ رہنا ضروری ہے، مسائل امامت وخطابت کی جانکاری کے ساتھ ساتھ حفظ احادیث ومتون کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ استحضار نصوص کے بنا خطبے ہوں یا دروس، احکام ومسائل کا بیان آخر کیسے ممکن ہے؟

امامت کے لیے حفاظ قرآن کی تقرری میں کتنا اہتمام کیا جاتا ہے، خطبے اور دروس بھی منصب امامت کا حصہ ہیں، اگر حدیثیں یاد نہ ہوں، معتبر متون حفظ نہ ہوں تو عوام کی رہنمائی کیسے کی جاسکتی ہے؟

یاد کرنے کی کیا عمر ہوتی ہے؟ تعلیم حاصل کرنے کی عمر کب شروع اور کب ختم ہوتی ہے؟ تعلیم پر مامور ایک معلم کب معذور ہوتا ہے کہ مزید نہ سیکھے؟

اگر کمزوریاں اور مجبوریاں گنی جاچکی ہوں تو اپنے آپ سے اس طرح کے کچھ سوال بھی کرلیے جائیں۔ کیا پتہ وہ جواب مل جائے جو راستے روشن کردے۔

تعلیم وتعلم میں جن اساتذہ کی ایک عمر گزری ہے وہ کبھی وقت نکالیں اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی سیرت بیان کردیں۔ نبی ﷺ کی یہ دعا بھی بتادیں: نضَّر الله امرأً سمع مقالَتي فوعاها وحفِظها وبلَّغها [صحیح ترمذی:۲۶۵۸]

۞ ۞ ۞

وفیات

مولانا عبدالواحد انور یوسفی رحمہ اللہ کا سانحۂ ارتحال

● شیخ رشید سمیع سلفی (جامعۃ التوحید، بھیونڈی)

موت انسانی زندگی کا حرف آخر ہے۔ یہ وہ اٹل قانون ہے جو بلا استثناء نافذ ہوکر رہتا ہے۔ اس سے کسی کو مفر نہیں ہے۔ وقت متعینہ پر موت اپنے ساز وسامان کے ساتھ وارد ہوتی ہے اور انسان چار و ناچار اگلی منزل کی طرف چل پڑتا ہے۔ یہ سلسلہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کائنات ہی موت سے ہم کنار نہ ہوجائے۔

موت درد دیتی ہے لیکن بعض موتوں سے اقرباء کے علاوہ ایک بڑی تعداد غم والم میں ڈوب جاتی ہے۔ یہی کیفیت تھی جب شیخ عبدالواحد انور یوسفی رحمہ اللہ کی خبر وفات ہماری سماعتوں سے ٹکرائی اور ہم یکلخت سکتے میں آگئے۔ شیخ عبدالواحد انور یوسفی رحمہ اللہ کا سانحۂ ارتحال معمولی بات نہ تھی، یہ علم وعمل، تصنیف وتالیف، دعوت وتبلیغ کے ایک زریں سلسلے کا اختتام تھا۔ ایک دینی و دعوتی مہم کا نقصان تھا، جماعت کے لیے ایک ناقابل تلافی خسارہ تھا۔

آپ کا قلم منہج سلف کا ترجمان تھا۔ آپ کی پوری زندگی علم، دعوت اور جہاد بالقلم سے عبارت ہے۔ سونس کھیڈ کے ایک کونے میں بیٹھ کر آپ نے دعوت کے باب میں ایک تاریخ رقم کی ہے۔ جناب مقصود حسین صاحب کے ساتھ مل کر علوم وفنون کا ایک مرجع کتب ایک مثالی لائبریری کا قیام کیا اور وہ لائبریری آپ کے دعوتی مشن کے لیے آب حیات کا درجہ رکھتی تھی، اس لائبریری کی قدر و قیمت اہل علم کو معلوم ہے اور صحیح معنوں میں وہ مطالعہ وتحقیق کے دلدادہ نفوس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔

آپ کی پیدائش یوپی کے ضلع بلرامپور کے ایک گاؤں نوڈہوا بشن پور میں بتاریخ 7/5/1955 کو ہوئی، آپ کے دادا گھیراج پور ضلع بستی سے ہجرت کرکے بشن پور آئے تھے اور آج پورا گاؤں کتاب وسنت پر عمل پیرا ہے۔ ماضی میں یہ گاؤں تقلیدی بندشوں میں جکڑا ہوا تھا اور اللہ نے انھیں کتاب وسنت کی شاہراہ پر گامزن کیا۔ عہد طفولیت والدین کی شفقتوں کے سائے میں گذرا۔ سن شعور کو پہنچے تو گاؤں کے مکتب انوار العلوم میں ابتدائی تعلیم کے لیے داخل کیے گئے۔ آپ نے جماعت ثانیہ تک وہیں پر تعلیم حاصل کی اور شاہراہ علم ومعرفت پر آگے بڑھتے رہے۔ اعلی تعلیم کے لیے آپ نے کئی مدارس کا رخ کیا اور وہاں داخلہ لے کر محنت سے تعلیم حاصل کی، جامعہ سراج العلوم بونڈیہار بلرام پور، مدرسہ کنز العلوم ٹانڈہ فیض آباد، جامعہ اثریہ دارالحدیث مئو ناتھ بھنجن یوپی۔ یہ وہ دانش گاہ علم ومعرفت ہیں جہاں آپ نے علمی پیاس بجھائی۔ متوسطہ، عالمیت اور فضیلت کے یہ مختلف

مراحل ہیں جنھیں آپ نے بحسن وخوبی طے کیا اور بہترین طالبانہ مشق وتمرین کی دشوار گزار راہوں سے گزرے۔ جماعت کے ان معیاری اداروں میں آپ کی ذہنی کارکردگی پروان چڑھی اور آپ قوم وملت کی خدمت کے لیے علمی وفکری طور پر استوار ہوئے۔ جامعہ اثریہ دارالحدیث سے آپ نے 1974 میں سند فراغت حاصل کی۔ جامعہ اثریہ جماعت کے موقر اداروں میں شمار ہوتا ہے اور اس ادارے نے جماعت کو قیمتی شہ پارے دیے ہیں۔ اثریہ سے نکل کر طلباء نے دعوت وتبلیغ کے میدان میں اپنے دیرپا نقوش چھوڑے اور ایک زمانے کو متاثر کیا۔

الہ آباد بورڈ سے مولوی منشی عالم فاضل کی سند بھی آپ نے حاصل کی۔

یہ سچ ہے کہ شخصیات کے ذہنی وفکری عروج میں قابل اساتذہ کا بہت بڑا رول ہوتا ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ جیسے شاگرد کی علمی عظمتوں کو ان کے استاد ابن تیمیہ سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا ہے۔ ایسی اور بھی حقیقت کشا مثالیں مل جائیں گی۔ شیخ عبدالواحد انور یوسفی رحمہ اللہ کی ذہنی فکری اور تحقیقی اٹھان میں ان کے اساتذہ کا غیر معمولی کردار ہے۔ آپ کے حالات زندگی میں اساتذہ کا ذکر رنگ کو مزید گہرا کرتا ہے۔

مولانا زین العابدین ریاضی، مولانا اقبال احمد رحمانی، ابو العرفان محمد عمر رحمانی، علامہ نور ٹانڈوی مولانا فیض الرحمن فیض، مولانا عظیم اللہ مئوی، مفتی عبدالعزیز عمری، مولانا ابوالکلام آفاق، مولانا محمد احمد اثری رحمہم اللہ۔ یہ وہ آفتاب وماہتاب ہیں جن کی علمی تابشوں نے عبدالواحد انور یوسفی رحمہ اللہ کی شخصیت کو اجالا دیا۔ ان اجلہ علماء نے آپ کی نوک پلک کو سنوارا۔ آپ کے اور بھی اساتذہ ہیں جنھوں نے آپ کی تعلیم وتربیت میں غیر معمولی رول ادا کیا۔

آپ ایک باکمال شاعر بھی تھے۔ آپ نے طبع آزمائی شروع کی تو چند اساتذہ فن سے اصلاح لی، ان میں مشتاق احمد شوقی مئوی اعظمی، وہمی رحمانی، نیر اعظمی رحمہم اللہ سرفہرست ہیں۔

شیخ عبدالواحد انور یوسفی رحمہ اللہ کی عملی زندگی کا ایک تدریسی دور بھی ہے۔ آپ نے عملی میدان میں جد وجہد اور محنت کو اپنا شعار بنایا، آپ کی تدریسی زندگی کی یادگار آپ کے نامور تلامذہ ہیں، آپ کے بعض ہونہار طلبہ میں مقصود علاء الدین سین، فرید اشرف سنابلی، سرور عبدالرؤف نوری، محمد عبدالوکیل مدنی، پرویز عالم ذکر اللہ اثری، ظفر العابدین ٹی ایچ خان، عبدالباری جمیل احمد اثری، عبدالاحد فخر الدین اثری قابل ذکر ہیں۔

1976 سے 1994 تک آپ مدرسہ تعلیم الاسلام و جامع مسجد سونس سے منسلک رہے، دل وجان سے دینی خدمات انجام دیتے رہے، چند سالوں کے لیے آپ کو گاؤں جانا پڑا۔ 1994 سے 2001 تک انوار العلوم نوڈھوا میں تدریسی خدمات انجام دی اور ادارت کی ذمے داری بھی نبھاتے رہے۔ مگر قدرت نے آپ کے شاندار علمی وتصنیفی کارناموں کے لیے مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ کو چنا تھا لہٰذا پھر آپ کی واپسی ہوئی اور تا حیات مرکز الدعوۃ الاسلامیۃ والخیریۃ کے ہو کر رہے۔

جمود وتعطل اور تن آسانی کو آپ نے کبھی اپنی زندگی میں راہ نہیں دی، کبھی چند لگے بندھے کاموں میں اپنی ذات کو محصور نہیں

کیا۔آپ نے سیماب صفت طبیعت پائی تھی۔ایک بے چین روح آپ کے وجود میں بستی تھی، کچھ کر گزرنے کا ولولہ اول روز سے آپ کی شخصیت کا حصہ تھا۔ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اور چٹائی پر چٹائی توڑنا آپ کا شعار نہ تھا،روح کی آواز راستہ بنا لیتی ہے۔ایک تو حرکت وعمل کا جذبہ اور دوسری طرف کوکن کی ناگفتہ بہ دینی ودعوتی پسماندگی کا احساس ہمیشہ دامن گیر رہتا۔آخر ضمیر کی آواز پر جہاد بالقلم کا بگل آپ نے بجادیا اور میدان کارزار میں اتر گئے۔یکے بعد کئی تصانیف آپ کی منظر عام پر آگئیں۔باطل کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔باطل جب دلائل کے میدان میں شکست کھاتا ہے تو بزور طاقت حق کی آواز کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔اس لیے آپ کو اور مقصود حسین صاحب کے دعوتی مرکز کو کئی بار آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔مشکلات کا سامنا کرنا پڑا،لیکن قلم کا سفر رکا نہیں،کوکن میں منہج سلف کی آواز دبی نہیں۔کئی حساس مسائل پر آپ نے پوری جرأت رندانہ سے منہج سلف کا موقف پیش کیا۔علاقے میں شافعیت کا غلبہ تھا تو تقلید پر کئی وقیع تصانیف منظر عام پر آئیں،بہت کھل کر آپ نے اتباع کتاب و سنت کی دعوت پیش کی،اس جد و جہد میں یقیناً موانع آتے ہیں،مسائل پیدا ہوتے ہیں،مخالفتوں کے بگولے چلتے ہیں لیکن کچھ سعید روحیں بھی اہل حق کو میسر آتی ہیں۔چند لوگ ان کی صفوں سے نکل کر اہل حق کے لیے سپر بنتے ہیں،وہ آواز جو عبدالواحد انور یوسفی نے اٹھائی تھی،وہ رکی نہیں،آگے بڑھتی رہی،بلند ہوتی رہی، اب مرکز الدعوۃ کے کھیڈ و مضافات ہی نہیں کوکن کے مختلف حصوں میں آئے دن پروگرام ہوتے ہیں،منہج سلف پر کھل کر گفتگو ہوتی ہے،لوگ کثیر تعداد میں پروگرام میں شریک ہوتے ہیں۔اب حق کو مخلصین کا ایک قافلہ مل گیا ہے اور دعوت کے اس مشن کے لیے وہ محو سفر ہیں۔

شیخ عبدالواحد انور یوسفی کی چند وقیع تصانیف:

- امام شافعی رحمہ اللہ کا تمسک بالحدیث
- صحابہ کرام کے بارے میں جماعت اہلحدیث کا صحیح نقطۂ نظر
- تقلید اور وجوب تقلید کے دلائل کا مختصر جائزہ
- مولوی عبد المنعم نظیر کے تعاقب اور مسلک سلف کی وضاحت میں چند باتیں
- سید عبدالمنعم نظیر کی کتاب ''آپس میں نہ لڑو'' کی روشنی میں اضافہ شدہ ایڈیشن
- ''شافعی علماء کرام کی خدمت میں'' چند باتیں

اس کے علاوہ بھی آپ کی دوسری معرکۃ الآراء تصانیف ہیں جن کی تعداد کم وبیش 23 تک پہنچتی ہے۔آپ کی جدید تصنیف ''فتنۂ غامدیت'' طبع ہو کر آگئی ہے۔عصر حاضر میں جاوید غامدی کے افکار ونظریات کی نقاب کشائی ازحد ضروری تھی وہ قرض الحمدللہ آپ نے جماعت کے سر سے اتار دیا،یہ آپ کا بہت بڑا دینی وعلمی کارنامہ ہے۔کسے پتہ تھا کہ حق کا یہ زرنگار قلم اچانک بند ہو جائے گا اور راہ دعوت کا یہ مسافر علم وتحقیق کے اس طویل سفر کو روک کر سفر آخرت کو روانہ ہو جائے گا۔اللہ تعالی آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور جماعت کو آپ کا بدل عطا فرمائے۔(آمین)

فقہ وفتاویٰ

نماز میں مقتدیوں کی رعایت: فقہاء اور اہلِ علم کی نظر میں

● شیخ عبدالحکیم عبدالمعبود المدنی (مدیر مجلہ الجماعۃ، ممبئی)

سوال: باجماعت نماز میں مقتدیوں کے احوال وظروف کو پیش نظر رکھنا اور انکی رعایت کرتے ہوئے امامت کرنے کا کیا حکم ہے دلائل کے ذریعہ وضاحت فرمائیں؟

جواب: نماز اسلام کا سب سے عظیم رکن اور روحِ بندگی کا مظہر ہے۔ یہ صرف فرد اور رب کے درمیان تعلق کا ذریعہ نہیں بلکہ امت کے نظم وضبط، مساوات، اتحاد اور باہمی ہمدردی کی تربیت گاہ بھی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے نماز کو دلوں کی راحت اور قربِ الٰہی کا وسیلہ قرار دیا اور اس میں توازن، آسانی اور رعایت کو دین کی روح بتایا۔

ارشاد فرمایا:

"إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ".

''جب تم میں سے کوئی لوگوں کو نماز پڑھائے تو اسے ہلکی رکھے، کیونکہ ان میں کمزور، بیمار اور بوڑھے ہوتے ہیں''۔[صحیح بخاری، حدیث:703؛ صحیح مسلم، حدیث:467]

یہ ارشاد امام کے لیے ایک بنیادی ہدایت ہے کہ وہ نماز میں مقتدیوں کی حالت، طاقت اور وقت کا لحاظ رکھے۔ دین کی روح سہولت اور آسانی میں مضمر ہے، نہ کہ مشقت اور سختی میں۔ اس حدیث کی روشنی میں اہل علم کے اقوال اور تشریحات سے بھی یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ فرض نمازوں میں امام کا اپنے مقتدیوں کی رعایت رکھنا مطلوب ہے۔ پیارے نبی ﷺ نے ایک صحابی کو لمبی نماز پڑھانے کی وجہ سے سخت تنبیہ کی حالانکہ آپ ﷺ خود بھی لمبی نماز پڑھاتے تھے۔ مطلب واضح ہے کہ مقتدیوں کی رعایت رکھنا یہ سنت رسول ﷺ ہے۔ ذیل میں اہل علم کے بعض اقوال ذکر کئے جا رہے ہیں تاکہ مسئلہ کو کما حقہ سمجھنا اور برتنا ممکن ہو سکے۔

اس بابت امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امام کے لیے سنت ہے کہ نماز میں اعتدال اختیار کرے، نہ بہت لمبی کہ مقتدیوں پر گراں گزرے اور نہ بہت مختصر کہ خشوع ختم ہو جائے''۔[شرح صحیح مسلم، النووی، ج4،ص189]

یہ اعتدال دراصل اس فہمِ نبوی کی نمائندگی کرتا ہے جو عبادت میں سہولت اور رحمت کا پیغام دیتا ہے۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:

''امام چونکہ لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے، اس لیے اس پر لازم ہے کہ وہ ان کے لیے آسانی کا باعث بنے اور مشقت سے بچائے''۔[التمہید، ابن عبدالبر، ج9،ص25]

یہ اصول فقہی بنیادوں میں سے ہے کہ امام امت کے حال سے غافل نہ ہو بلکہ رعایت کو اپنے طرزِ عمل کا حصہ بنائے۔

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ:

''امام کی نماز معتدل ہونی چاہیے تاکہ مقتدی خوش دلی سے شریک ہوں، کیونکہ زیادہ طوالت لوگوں کو جماعت سے دور کر سکتی ہے''۔[المغنی، ابن قدامۃ، ج2ص27]

یہ رائے عبادت کے ساتھ دعوتی حکمت کی بھی نمائندہ ہے، کہ شریعت کی سہولت جذب کا ذریعہ بنتی ہے۔

اس بابت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ انتہائی بصیرت آمیز فتوی تحریر فرماتے ہیں:

''امام اگر نماز میں طول کرے تو یہ اس وقت پسندیدہ ہے جب مقتدی راضی ہوں، لیکن اگر ان میں کوئی کمزور، بیمار یا مشغول ہو تو اعتدال واجب ہے، کیونکہ شریعت کی بنیاد آسانی پر ہے''۔[مجموع الفتاوی، ابن تیمیہ، ج23ص112]

یہ بات ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے فقہ الموازنات کے اصول کو ظاہر کرتی ہے کہ عبادت میں فضیلت اور رعایت کے درمیان توازن ہی شریعت کا کمال ہے۔

علامہ ابن القیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز میں اعتدال سب سے نمایاں وصف تھا؛ نہ اس قدر طوالت کہ مقتدی عاجز ہوں، نہ ایسی جلدی کہ خشوع ختم ہو جائے''۔[زاد المعاد، ابن القیم، ج1ص202]

شیخ ابن باز رحمہ اللہ کا فتوی:

''سنت یہ ہے کہ امام نماز کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقے پر درمیانی رکھے، بہت طویل قراءت عوام کے لیے مشقت کا باعث بنتی ہے، اور دین میں مشقت نہیں رکھی گئی''۔[مجموع فتاوی ابن باز، ج12ص136]

علامہ البانی رحمہ اللہ رقمطراز ہیں کہ:

''نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز میں طول پسند تھا لیکن آپ نے امام کے لیے رعایت کو شرط قرار دیا، یہی رعایت سنت کی روح اور جمال ہے''۔[سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ، الألبانی، ج6ص85]

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''امامت قیادت نہیں بلکہ خدمت ہے؛ اگر امام لمبی قراءت سے مقتدیوں کو مشقت میں ڈال دے تو وہ فضیلت کو ضائع کرتا ہے۔ سنت یہ ہے کہ امام عوام کے حال کو سمجھے اور ان کے لیے آسانی کا ذریعہ بنے''۔[الشرح الممتع، ابن عثیمین، ج4ص27]

خلاصہ کلام یہ کہ اسلام کا مزاج دوسروں کی رعایت، آسانی اور توازن پر قائم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبادت کو سہولت کا ذریعہ بنایا، نہ کہ مشقت کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"إِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِينَ وَلَمْ تُبْعَثُوا مُعَسِّرِينَ".

''تمہیں آسانی پیدا کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے، تنگی پیدا کرنے والا نہیں''۔[صحیح بخاری، حدیث:69]

امام اگر اپنی نماز میں علم، حلم، اور رعایت کو جمع کرے تو وہ درحقیقت نبوی وراثت کا حامل ہے۔ چنانچہ یہ بات مذکورہ تشریحات سے بآسانی سمجھ میں آتی ہے کہ فرض نمازوں میں اعتدال سنت ہے اور نوافل میں طول اختیار کرنا مستحب ہے جب کہ آدمی اکیلے پڑھے۔ اور امام اگر مقتدیوں کی رعایت نہ کرے تو یہ سنت کے خلاف اور ایذا رسانی کے زمرے میں آتا ہے۔

آج امت کو ایسے ائمہ کی ضرورت ہے جو علم و بصیرت کے ساتھ امت کی سہولت کا خیال رکھیں، تاکہ نماز امت کے اتحاد، قربِ الٰہی، اور اصلاحِ معاشرہ کا ذریعہ بنے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

آئینۂ جمعیت و جماعت

جمعیت کی دعوتی وتعلیمی سرگرمیاں

ادارہ

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کی دینی و دعوتی اور تنظیمی سرگرمیاں جاری وساری ہیں۔آئینۂ جماعت اور دیگر ذرائع سے اس کی سرگذشت آپ کے سامنے آتی رہتی ہیں۔حالیہ سطور میں بھی جماعت کی رودادِ جہد وعمل آپ کے روبرو کرنا ہے۔آغاز نئی میقات کیلئے انتخاب جدید کی خبر سے کرتے ہیں۔

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کا انتخاب نو:

14/اکتوبر بروز اتوار جامع مسجد اہل حدیث کاپڑیا نگر۔کرلا میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کا انتخاب زیر صدارت شیخ عبدالسلام سلفی /حفظہ اللہ عمل میں آیا۔تلاوت کلام مجید سے پروگرام کا آغاز ہوا۔مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند دہلی سے بطور مشاہد شیخ طٰہٰ خالد حسین مدنی /حفظہ اللہ (رکن شوری مرکزی جمعیت اہل حدیث دہلی) تشریف لائے تھے، شیخ حمیداللہ سلفی /حفظہ اللہ نے نظامت کا فریضہ انجام دیا، شیخ عبدالحکیم مدنی نے گذشتہ میٹنگ کی روداد اور جمعیت کی موجودہ دینی و دعوتی اور تعلیمی سرگرمیوں کو پیش کیا، پانچ افراد پر مشتمل انتخابی بورڈ تشکیل دیا گیا جس میں صدر بورڈ جناب اظہار خان صاحب، بورڈ کے دوسرے افراد جناب انور اسماعیل لکڑا والا صاحب، جناب عباس انوارے صاحب، جناب یٰسین دلوی صاحب، شیخ منظر احسن سلفی صاحب سمیت چودہ ضلعوں کے تقریباً 100/اراکین شوریٰ موجود بھی تھے، دستور کے مطابق انتخاب کی کارروائی شروع ہوئی اور امارت کے منصب کے لئے صدر بورڈ نے اراکین شوریٰ سے رائے طلب کی، شیخ عبدالسلام سلفی /حفظہ اللہ کا نام پیش کیا گیا سب نے متفقہ طور پر آئندہ میقات کے لئے شیخ عبدالسلام سلفی /حفظہ اللہ کو امیر منتخب کیا۔نظامت کے لئے صدر بورڈ نے رائے طلب کی، تین نام پیش کئے گئے شیخ عبدالحکیم مدنی /حفظہ اللہ، شیخ عنایت اللہ مدنی /حفظہ اللہ اور شیخ عبدالرشید سلفی /حفظہ اللہ، شیخ عبدالحکیم مدنی /حفظہ اللہ اور شیخ عنایت اللہ مدنی /حفظہ اللہ نے اپنے نام واپس لے لئے اور نظامت کے لئے شیخ عبدالرشید سلفی /حفظہ اللہ کے نام پر سب نے اتفاق کرلیا۔صدر بورڈ نے خازن کے لئے نام طلب کیا تو جناب عثمان اسماعیل لکڑا والا صاحب کا نام پیش کیا گیا، اس نام پر بھی اراکین شوریٰ نے اتفاق کیا۔مرکزی جمعیت کے مشاہد شیخ طٰہٰ خالد حسین مدنی /حفظہ اللہ نے دستور کی روشنی میں اراکین شوریٰ سے اجازت لے کر امیر کے تین نائبین اور ناظم کے تین نائبین کے انتخاب کا اختیار منتخب شدہ امیر وناظم اور خازن کی صوابدید پر چھوڑ دیا، امیر وناظم نے متفقہ طور پر نائب امیر کے لئے شیخ عبدالحکیم مدنی /حفظہ اللہ، جناب عبدالحمید خان صاحب اور شیخ حمیداللہ سلفی /حفظہ اللہ کو منتخب کیا اور نائب ناظم کے لئے

شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ، شیخ جمیل احمد سلفی رحفظہ اللہ، شیخ اسلم صیاد سنابلی رحفظہ اللہ کو منتخب کر کے اس کا اعلان بھی کر دیا۔ مرکزی جمعیت دہلی کے مشاہد محترم شیخ طہ خالد حسین مدنی رحفظہ اللہ نے انتخاب کو از اول تا آخر دیکھا اور اپنے تاثراتی بیان میں انتخاب کو دستور کے مطابق اور شفاف قرار دیا۔ تمام ذمہ داران کے لئے حسن توفیق کی دعا فرمائی۔ نو منتخب عہدیداروں اور اراکین شوریٰ نے اس کو منظوری بھی دے دی۔ اس طرح سے انتخاب کا عمل پایۂ تکمیل کو پہونچا اور تشکر کے بعد انتخابی اجلاس بحسن وخوبی اختتام پذیر ہوا۔

دعوتی دورے و دروس:

6 ستمبر 2025 مسجد اہل حدیث اندرا نگر تھانہ کے اہم اجلاس میں شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے شرکت کی اور ''قرآن وسنت کی روشنی میں ائمہ اربعہ کا مسلک'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

12 ستمبر بروز جمعہ بعد نماز مغرب مسجد و مدرسہ رحمانیہ یووک کرانتی نگر الہاس نگر نمبر 5 رمیں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی و باحث شیخ عنایت اللہ مدنی حفظہ اللہ نے شرکت کی اور ''خالص سلفی مشن کے لئے مال خرچ کرو'' کے موضوع پر بہترین خطاب پیش فرمایا۔

21 ستمبر بروز اتوار بعد نماز مغرب تا عشاء مسجد و مدرسہ محمدیہ گولڈن کوائن نیا نگر میرا روڈ کے ایک اہم اجلاس میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی و باحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے شرکت کی اور عوام الناس سے خطاب کیا۔

27 ستمبر بعد نماز مغرب سرسید ہال علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت فرمائی اور ''تکفیری معاشرہ اور اسلام'' جیسے حساس موضوع پر خطاب کرتے ہوئے طلباء کو نصیحتیں کیں۔

28 ستمبر بروز اتوار امیر محترم نے جامعہ ملیہ اسلامیہ میں زیر تعلیم ابنائے سنابل کے پروگرام میں جو جامع مسجد عمر بن خطاب جامعہ اسلامیہ سنابل میں منعقد ہوا تھا طلبہ کو گرانقدر نصیحتوں سے نوازا۔

28 ستمبر بروز اتوار بعد نماز عشاء مسجد اہل حدیث اقصیٰ چیتا کیمپ ٹرامبے میں شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ کے خصوصی درس کا اہتمام کیا گیا جس میں شیخ محترم نے ''تعالم کا فتنہ'' کے موضوع پر پر مغز خطاب پیش فرمایا جو موجودہ دور کا سلگتا ہوا مسئلہ ہے۔

3 راکتوبر بروز جمعہ مسجد اہل حدیث بیت السلام کمپلیکس کھیڈ میں امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ نے ''علماء انبیاء کے وارث اور امت کے نگہبان'' کے موضوع پر خطبہ دیا اور شام کو جامع مسجد اہل حدیث ملت نگر چپلون میں ''سلفی شناخت اور اس کا تحفظ'' کے موضوع پر درس دیا۔

5 راکتوبر 2025 مسجد ''الفرقان'' ممبرا شل میں ایک روزہ دورہ علمیہ بعنوان ''شرح کتاب تیسیر الالہ بشرح أدلة شروط لا إله إلا اللہ'' کا انعقاد ہوا جس میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی و باحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے نہایت ہی علمی و تربیتی درس پیش فرمایا جس سے کثیر تعداد میں اخوان جماعت اور خواتین مستفید ہوئیں۔

5 راکتوبر کو امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ نے مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند کے سالانہ مسابقہ اور عاملہ کی میٹنگ میں شرکت کی، 6 راکتوبر کو ابوالکلام آزاد اسلامک اویکننگ سینٹر کی

جانب سے عائشہ صدیقہ شریعت کالج میں ایک خصوصی پروگرام رکھا گیا، امیر محترم نے بحیثیت ''مہمان ذی وقار'' شرکت کی اور طالبات کو ناصحانہ کلمات سے مستفید فرمایا۔ اسی طرح آپ کی معیت میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے ناظم شیخ عبدالرشید سلفی رحفظہ اللہ نے بھی شرکت کی اور انہوں نے بھی طالبات کو قیمتی نصیحتوں سے نوازا۔

5 راکتوبر 2025 بروز اتوار بعد نماز مغرب مسجد اہل حدیث دارالمجید یہ بدلا پر گاؤں میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ کے زیر صدارت ایک اہم اجلاس عام کا انعقاد ہوا جس میں قرآن وسنت کی روشنی میں شیخ محترم نے صدارتی خطاب فرمایا اور لوگوں کو کتاب وسنت سے جڑنے اور منہج سلف کے مطابق زندگی گزارنے کی نصیحتیں کیں اور ''خواتین کا مقام اور ذمہ داریاں'' کے عنوان پر خواتین کو نصیحت فرمائی۔

8 راکتوبر بروز بدھ بعد نماز عشاء مسجد اہل حدیث فیض عام چاند نگر کوسہ ممبرا میں جماعت کے موقر مہمان اور بلند پایہ علمی شخصیت شیخ ظفر الحسن مدنی رحفظہ اللہ کی آمد پر خصوصی درس کا اہتمام کیا گیا جس میں شیخ محترم نے قرآن وسنت کی روشنی میں عوام الناس کو قیمتی نصیحتوں سے نوازا۔

10 راکتوبر کو امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ نے ایک اہم دینی اجتماع میں شرکت کی اور ''دین کی حفاظت اور اس پر استقامت'' کے موضوع پر ایک جامع خطاب پیش فرمایا۔

10 راور 11 راکتوبر بروز جمعہ اور سنیچر صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے کلکتہ کا دوروزہ دورہ کیا جس میں 10 راکتوبر بروز جمعہ کو جی پی -3 اہل حدیث خضر پور کلکتہ میں ''اتباع سنت یا تقلید'' کے موضوع پر خطبہ جمعہ پیش کیا اسی روز بعد نماز مغرب مسجد توحید پارک سرکس کلکتہ میں ''توحید کی فضیلت'' کے موضوع پر خطاب پیش کیا نیز بعد نماز عشاء مسجد محمدی ٹوپسیا کلکتہ میں ''انسانی زندگی پر گناہوں کے اثرات'' جیسے اہم موضوع پر خطاب پیش کیا۔

11 راکتوبر بروز سنیچر بعد نماز فجر مسجد اہل حدیث تانتی باغ جی پی -3 پریئر ہال میں ''نبی کی بات کو حجت مانا جائے گا'' اس اہم موضوع پر درس پیش کیا۔

اور بعد نماز عصر تا عشاء جی پی -3 پریئر ہال مسجد اہل حدیث میں ایک اہم دورۂ علمیہ میں ''قواعد اربع'' کا درس پیش کیا جس سے کثیر تعداد نے استفادہ کیا نیز 11 راکتوبر ہی کو بعد نماز عشاء مسجد اہل حدیث سبیل خضر پور کلکتہ میں ''سود کی مروجہ شکلیں اور بچاؤ کا راستہ'' کے اہم موضوع پر خطاب عام پیش کیا۔

اس طرح شیخ محترم کا دوروزہ دورہ علمی افادات کے ساتھ پائے تکمیل کو پہنچا۔

12 راکتوبر بروز اتوار بعد نماز مغرب ''مسجد رحیمیہ'' کھرڈی روڈ ممبرا میں شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے ''نفس پرستی کے مفاسد اسباب وعلاج'' کے موضوع پر اہم ترین خطاب پیش فرمایا۔

13 راکتوبر جامع مسجد اہل حدیث ملت نگر چپلون میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ نے ''سلفی شناخت اور اس کا تحفظ'' اس اہم موضوع پر مدلل خطاب پیش کیا۔

13 راکتوبر بروز پیر بعد نماز عشاء مسجد اہل حدیث محمدیہ کمھار والا مسلم نگر دھاراوی میں صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی کے داعی

شیخ فیض الرحمن رحمانی رحفظہ اللہ کا خصوصی خطاب ہوا جس میں موصوف نے ''ارتداد اسباب وسد باب'' اس اہم موضوع پر مدلل خطاب فرمایا۔

18ر اکتوبر بروز سنیچر مسجد محمدیہ اہل حدیث گولڈن کوائن نیا نگر میرا روڈ ممبئ میں شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے ایک اجلاس عام میں شرکت کی اور قرآن وسنت کی روشنی میں اہم خطاب پیش کیا۔

19ر اکتوبر بروز اتوار مقامی جمعیت اہل حدیث اوپن بیٹگری، بیلگام، کرناٹک کے زیر نگرانی مرکزی مسجد اہل حدیث اوپن بیٹگری، بیلگام، کرناٹک میں ایک اہم علمی ودعوتی پروگرام میں شرکت کی اور ''توحید ورسالت کے باب میں منہج سلف'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

21ر اکتوبر مسجد اہل حدیث نیرول میں ''عظمت رسول'' کے موضوع پر ایک اہم دورہ علمیہ کا انعقاد ہوا جس میں شیخ محترم نے ایک جامع علمی درس پیش کیا جس سے نوجوانوں نے فائدہ اٹھایا۔

22ر اکتوبر بروز بدھ بعد نماز مغرب امیر محترم شیخ عبدالسلام سلفی رحفظہ اللہ نے جامع مسجد اہل حدیث مومن پورا بائیکلہ ممبئ کے ایک خصوصی درس میں ''منہج سلف کی ضرورت کیوں'' جیسے اہم موضوع پر خطاب فرمایا۔

23ر اکتوبر ضلعی جمعیت اہل حدیث رتنا گیری کے زیر سرپرستی مرکز الدعوہ الاسلامیہ والخیریہ سونس کھیڑ میں از نو بجے صبح تا نماز مغرب ایک اہم دورہ علمیہ کا انعقاد ہوا اس کا عنوان ''نواقض اسلام'' تھا اس دورہ علمیہ میں شیخ محترم نے مفصل انداز میں نواقض اسلام کا درس پیش کیا جس سے علماء ائمہ طلباء اور عوام الناس نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔

25ر اکتوبر 2025 مسجد اہل حدیث التوحید آزاد نگر پرلی بیڑ مہاراشٹر کا صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئ کے داعی وباحث شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے دورہ کیا جس میں صبح 11ر بجے جماعت کے ذمہ داروں کی تربیت کے لیے ''دعوت منہج سلف اور اس کے تقاضے'' کے موضوع پر نصیحتیں کیں نیز بعد نماز ظہر خواتین کے لیے خصوصی مجلس کا انعقاد کیا گیا جس میں شیخ محترم نے صحیح عقیدے کی اہمیت اور غلط عقیدے کے نقصانات جیسے اہم موضوع پر عورتوں کو نصیحت کی نیز اسی دن بعد نماز مغرب وہاں منعقدہ ایک اہم دینی اجتماع میں شرکت کی اور ''عقیدہ ومنہج کی حفاظت کیوں اور کیسے'' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔

26ر اکتوبر کو شیخ عنایت اللہ مدنی رحفظہ اللہ نے پربھنی مہاراشٹر کا دورہ کیا جس میں مسجد اہل حدیث پاتھری پربھنی مہاراشٹر میں بعد نماز ظہر تا عصر کتاب وسنت کی روشنی میں خطاب عام فرمایا اور اسی دن بعد نماز مغرب مسجد اہل حدیث پربھنی میں منعقدہ ایک اہم اجلاس سے خطاب کیا۔

اس کے علاوہ صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئ کے زیر سرپرستی ممبئ کے مختلف مساجد میں اہم کتابوں کے ہفتہ واری اور پندرہ روزہ دروس جاری وساری ہیں۔ جیسے: ''کتاب التوحید'' مسجد اہل حدیث دارالہدیٰ ساکی ناکہ، ''مسائل الجاہلیۃ'' مسجد اہل حدیث کاپڑیا نگر کرلا، ''شرح السنۃ'' مسجد حسن کوسہ ممبرا، ''سلف صالحین کے اقوال'' مسجد اہل حدیث مومن پورہ، خصوصی درس مسجد اہل حدیث سیلیش نگر، ممبرا، وغیرہ۔

Special Issue "AL-JAMAAH" Mumbai
November-December 2025

صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی

کے زیر اہتمام

سالہائے گذشتہ کی طرح امسال بھی

یک روزہ سالانہ

بتاریخ:
۱۶ر نومبر ۲۰۲۵ء
مطابق ۲۴ر جمادی الأولی ۱۴۴۷ھ
بروز اتوار، بوقت: صبح ۹/ بجے تا صلاۃ عشاء

بمقام:
جامع مسجد اہل حدیث،
کپاڈیہ نگر، کرلا (ویسٹ)، ممبئی ۷۰

تربیتی اجتماع

برائے

ائمہ ودعاۃ

جس میں ان شاء اللہ ماہرین فن بزرگان ملّت، کہنہ مشق اساتذۂ کرام اور معروف اہل علم اپنے علمی، دعوتی، منہجی ودیگر تجربات اور مہارتوں سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کریں گے۔

عناوین

- منہجِ اہلِ حدیث، تعارف، تجزیہ اور اشکالات کا علمی جائزہ
- اسلاموفوبیا کے مقابل حکمتِ عملی
- دعوتی منصوبہ بندی اور فیلڈ ورک کی اہمیت
- مصنوعی ذہانت، ڈیجیٹل میڈیا، اور ہماری ذمے داریاں
- عصر حاضر کے چیلنجز اور داعی کا کردار
- عصر حاضر میں فکری انحرافات اور ان کا رد
- سوادِ اعظم حقیقت اور شبہات کا ازالہ
- جماعتی زندگی مفہوم اور تقاضے
- دعوت کے وسائل توقیفی ہیں اجتہادی نہیں
- منحرف تنظیموں سے تحذیر میں داعی کی ذمہ داریاں
- فتویٰ کی اہمیت اور مفتی کی اہلیت کا معیار
- اخوانی فکر اور برِصغیر پر اس کے اثرات

یہ پروگرام ائمہ وخطباء مساجد اور دعاۃ کے لئے مخصوص ہے۔
جن کا رجسٹریشن ہوگیا ہے وہ وقت مقررہ پر پہنچ جائیں۔

ان کے علاوہ دیگر اہم عناوین پر بھی خطابات ہوں گے۔ ان شاء اللہ

اپیل کنندگان

اراکین صوبائی جمعیت اہل حدیث ممبئی واراکین مسجد اہل حدیث کاپڑیا نگر، کرلا، ممبئی ۷۰

برائے رابطہ آفس: واٹس ایپ: 9892255244 / فون: 9892555244

A1 Grafix Studio : +91-9819189965

SUBAI JAMIAT AHLE HADEES, MUMBAI
14/15, Chuna Wala Compound, Opp. Best Bus Depot, L.B.S. Marg, Kurla (W), Mumbai - 400 070
9892255244 9892555244 ahlehadeesmumbai@gmail.com @JamiatSubai
subaijamiatahlehadeesmum SubaiJamiatAhleHadeesMumbai
www.ahlehadeesmumbai.com majallahaljamaah@gmail.com